سورۃ النحل

آیاتہا ۱۲۸ | ۱۶ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۷۰ | رکوعاتہا ۱۶

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حضرت حسن، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کے قول کے مطابق یہ ساری سورۃ مکیہ ہے۔ اور اس کا نام سورۃ النعم بھی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ان نعمتوں کو شمار کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں پر فرمائی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ سورۃ مکیہ ہے سوائے اس قول باری تعالیٰ کے: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ الآیہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں حضرت حمزہ اور شہداء احد کی تمثیل بیان کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور سوائے اس قول کے: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اور سوائے اس قول کے: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا الآیہ۔ اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ یہ مکی ہے اور ہجرت حبشہ کی شان میں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سورہ مکی ہے سوائے تین آیات کے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں، اور وہ یہ ہیں: وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۔

اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

قریب آ گیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو، پاک ہے اللہ تعالیٰ اور برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں۔"

قولہ تعالیٰ: اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ کہا گیا ہے کہ اس میں اَتٰی بمعنی یاتی ہے، (یعنی آ رہا ہے) اور یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: إن أكرمتني أكرمتك (اگر تو نے میری عزت کی تو میں تیری تکریم کروں گا)۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ماضی اور مستقبل میں خبر دینا برابر ہے، کیونکہ وہ لامحالہ ہو کر رہنے والا ہے، جیسا کہ اس کا قول ہے: وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ (الاعراف: 44) اور اَمْرُ اللّٰهِ سے مراد اس کے لئے اس کی سزا اور عقاب ہے جو شرک کرنے اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے پر قائم رہا۔ حسن، ابن جریج اور ضحاک نے کہا ہے: امر سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے فرائض و احکام کو بیان کیا ہے۔ اور اس میں بہت بعد ہے، کیونکہ یہ منقول نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی طلب میں عجلت کی ہو اس سے پہلے کہ وہ ان پر فرض کئے جائیں، البتہ عذاب و عقاب کی طلب میں جلدی کرنے والے ہیں اور وہ بہت سے کفار قریش وغیرہ سے منقول ہے حتیٰ کہ نضر بن حارث نے کہا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ

الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ، تو اس نے عذاب کی طلب میں عجلت کی۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: ضحاک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ میں نے اور میرے رب نے تین چیزوں میں باہم موافقت کی ہے: مقام ابراہیم میں، حجاب میں اور بدر کے قیدیوں کے بارے میں، اسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ اور یہ بیان سورۃ البقرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور زجاج نے کہا ہے: یہ وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر پر انہیں جزا دینے کا وعدہ کیا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مثل ہے: فَإِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ (المومنون: 27) (یہاں تک کہ جب آ گیا ہمارا حکم اور ابل پڑا تنور)۔ اور بعض نے کہا ہے: یہ قیامت کا دن ہے یا قیامت کی علامت میں سے وہ جو اس کے قرب پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر) (قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا)۔ کفار نے کہا: بے شک یہ گمان کر رہے ہیں کہ قیامت قریب آ چکی ہے، پس تم ان بعض کاموں سے رک جاؤ جو تم کرتے ہو، پس وہ رک گئے اور انتظار کرنے لگے لیکن انہوں نے کوئی شے نہ دیکھی، تو پھر کہنے لگے: ہم تو کوئی شے نہیں دیکھ رہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی، اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ الآیہ (الانبیاء: 1) (قریب آ گیا لوگوں کے لئے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت......) پس وہ خوفزدہ ہو گئے اور قرب قیامت کا انتظار کرنے لگے، پھر ایام طویل ہو گئے تو وہ کہنے لگے: ہم تو کوئی شے نہیں دیکھ رہے ہیں، پھر یہ آیت نازل ہوئی: أَتَى أَمْرُ اللّٰهِ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اچھل پڑے اور خوفزدہ ہو گئے، پھر یہ ارشاد نازل ہوا: فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ پس وہ مطمئن ہو گئے، تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے قیامت کے ساتھ ان دو کی طرح مبعوث کیا گیا ہے" (1)۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا اور وہ ایک سبابہ (شہادت کی انگلی) اور اس کے ساتھ والی انگلی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ قریب تھا کہ وہ مجھ سے سبقت لے جاتی لیکن میں اس پر سبقت لے گیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی نشانیوں میں سے ہی ہے۔ اور یہ کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام جب آسمان والوں کے پاس سے گزرتے اس حال میں کہ انہیں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا جاتا تھا تو وہ کہتے: اللہ اکبر، قیامت قریب آ گئی۔ قولہ تعالیٰ: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر اس شے سے پاک ہے جس کے ساتھ وہ اسے متصف کرتے ہیں کہ وہ قیامت قائم کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، اور یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے تھے: کوئی بھی مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، پس وہ اللہ تعالیٰ کو اس عجز کے ساتھ متصف کرتے تھے جس کے ساتھ صرف اور صرف مخلوق کو متصف کیا جا سکتا ہے، اور یہ شرک ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنی اس کی ذات ان کے شریک ٹھہرانے سے پاک ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ما بمعنی الذی ہے، یعنی وہ ذات جو ان سے بلند ہے جنہوں نے اس کے ساتھ شرک کیا۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعۃ، جلد 2، صفحہ 406

"اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے کہ خبردار کرو (لوگوں کو) کہ نہیں کوئی معبود سوائے میرے پس مجھ سے ہی ڈرا کرو"۔

مفضل نے عاصم سے تَنَزَّلُ الملائکۃُ پڑھا ہے اور یہ اصل میں تتنزّل تھا، پس فعل کو ملائکہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور کسائی نے ابوبکر سے اور انہوں نے عاصم سے اس سے مختلف قرأت کی ہے، اور اعمش نے تُنَزَّلُ الملائکۃُ فاعل کا ذکر کئے بغیر (فعل مجہول) پڑھا ہے۔ اور جعفی نے ابوبکر سے اور انہوں نے عاصم سے نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ نون کے ساتھ اور فعل معروف کے ساتھ قرأت کی ہے، اور باقیوں سے يُنَزِّلُ یا اور فعل معروف کے ساتھ پڑھا ہے، اور اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے اسم کے لئے ہے۔ اور حضرت قتادہ سے نُنْزِلُ الملائکۃ نون اور تخفیف کے ساتھ مروی ہے۔ اور اعمش نے تَنْزِلُ تا کے فتحہ اور زا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور یہ نزول سے ماخوذ ہے۔ اور الملائکۃُ مرفوع ہے جیسا کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ میں ہے۔ بِالرُّوْحِ یعنی وحی کے ساتھ اور وہ نبوت ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ اس کی نظیر يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (غافر: 15) ہے۔ ربیع بن انس نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ اور وہ قرآن کریم ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: یہ اس حق کا بیان ہے جس کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مراد مخلوق کی ارواح ہیں؛ یہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کوئی فرشتہ نہیں اترتا مگر اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے جیسا کہ ابن آدم کی صورتیں اور شکلیں ہیں، اور آسمان سے کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ ان میں سے ایک ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: رحمت کے ساتھ (یعنی ملائکہ کو رحمت کے ساتھ اتارتا ہے) یہ حسن اور قتادہ نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہدایت کے ساتھ، کیونکہ دل اس کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جیسا کہ بدن ارواح کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں (1)، اور یہی معنی زجاج کے قول کا ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: روح وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے امر کی طرف ارشاد اور ہدایت سے حیات ہے۔ اور ابوعبیدہ نے کہا ہے: یہاں روح سے مراد حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ہیں۔ اور قول باری تعالیٰ بِالرُّوْحِ میں با بمعنی مع ہے، جیسا کہ تیرا یہ قول ہے: خرج بثیابہ، ای مع ثیابہ (وہ اپنے کپڑوں کے ساتھ نکلا)۔ مِنْ اَمْرِهٖ، ای بأمرہ (اپنے حکم کے ساتھ)۔ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یعنی ان پر جنہیں اللہ تعالیٰ نبوت کے لئے منتخب فرمالے۔ یہ ان کے اس قول کا رد ہے: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (الزخرف) (کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو دو شہروں میں بڑا ہے)۔

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ یہ بتوں کی عبادت سے تحذیر اور ڈرانا ہے، اور اسی لئے انذار کا لفظ آیا ہے، کیونکہ اس کا اصل معنی اس سے ڈرانا اور آگاہ کرنا ہے جس سے ڈرا جاتا ہے۔ اور اس پر قول باری تعالیٰ: فَاتَّقُوْنِ دلالت کر رہا ہے۔ اور أن (یعنی اس کے ساتھ کہ تم کافروں کو اس بارے خبردار کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ پس أن حرف جر کے ساقط ہونے کے ساتھ محل نصب میں ہے یا اس پر انذار کے وقوع کے سبب (یہ محل نصب میں ہے)

1۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 178

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③

''اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ وہ برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں۔''

قولہ تعالیٰ: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یعنی زوال اور فناہ کے لئے (زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔) اور یہ بھی کہا گیا ہے: بِالْحَقِّ یعنی اپنی قدرت پر دلالت کرنے کے لئے، اور یہ کہ بندے اس کی طاعت کرتے ہوئے عبادت کریں اور یہ کہ وہ موت کے بعد مخلوق کو زندہ کر سکتا ہے۔ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنی وہ برتر ہے ان بتوں سے جو کسی چیز کو پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④

''اس نے پیدا فرمایا انسان کو نطفہ سے پس اب وہ برملا جھگڑالو بن گیا ہے۔''

قولہ تعالیٰ: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلیل ذکر فرمائی تو اس کے بعد انسان، اس کی درشتیوں، مشقتوں اور ایک حالت سے دوسری کی طرف تجاوز کرنے کا ذکر کیا۔ اَلْاِنْسَانَ یہ اسم جنس ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اس سے مراد ابی بن خلف جمحی ہے، وہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند بوسیدہ ہڈیاں لے کر آیا اور کہا: کیا آپ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا اس کے بعد کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہیں، گل سڑ چکی ہیں؟ اور اسی بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی: اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ⑰ (یٰس) (کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس پانی سے تخلیق فرمایا جو آدمی کی صلب اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے، پھر اسے مختلف ہیئتوں میں منتقل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے پروان چڑھتا ہے کہ امور میں جھگڑا کرنے لگتا ہے، پس کلام کا معنی انسان کے بارے میں تعجب کا اظہار کرنا ہے وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ (یٰسین: 78) (اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب وغریب) مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا اپنی پیدائش کو) اور قولہ تعالیٰ: فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ یعنی مخاصم جھگڑا کرنے والا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے نسیب بمعنی مناسب ہے، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی قدرت کے بارے میں جھگڑتا ہے۔ اور مُّبِيْنٌ یعنی اس کا جھگڑنا بالکل ظاہر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ اپنی طرف سے باطل کے ساتھ جھگڑنے کا اظہار کرتا ہے۔ اور الْمُبِيْنُ سے مراد وہ ہے جو اپنے کلام کے ساتھ اس کی وضاحت کرنے والا ہو جو اس کے دل میں چھپا ہوا اور پوشیدہ ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤

''نیز اس نے جانوروں کو پیدا کیا تمہارے لئے ان میں گرم لباس بھی ہے اور دیگر فائدے ہیں اور انہیں (کا گوشت) تم کھاتے ہو۔''

اس میں تین مسائل ہیں:۔

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کا ذکر کیا تو پھر اس کا ذکر کیا جس کے

ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان فرمایا اور الْاَنْعَامَ سے مراد اونٹ، گائیں اور بکریاں ہیں۔ اور نَعم اور انعام کے الفاظ اکثر اونٹوں کے لئے بولے جاتے ہیں، اور یہ مجموعہ کے لئے بولے جاتے ہیں اکیلے بکریوں کے لئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا (1)۔

حضرت حسان نے کہا ہے:

عفت ذاتُ الأصابع فالجِوَاءُ　إلى عَذْرَاءَ منزِلُها خلاءُ

دِیارٌ من بَنِی الحَسْحاس قَفْرٌ　تُعَفِّیها الروامِسُ والسماء

وکانت لایزال بها أنیس　خِلال مُرُوجها نَعَمٌ وشاءُ

پس اس میں نَعَم سے مراد صرف اونٹ ہیں۔ اور جوہری نے کہا ہے: النَّعَم الأنعام کی واحد ہے اور اس سے مراد چرنے والا مال ہے، اور اکثر اوقات اس اسم کا اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ فراء نے کہا ہے: یہ مذکر ہے اس کی مونث نہیں آتی، وہ کہتے ہیں: ھذا نعم وارد (یہ اونٹ آرہا ہے)، اور اس کی جمع نُعمان آتی ہے جیسا کہ حَمَل اور اس کی جمع حُملان آتی ہے۔ اور الأنعام مذکر بھی آتا ہے اور مونث بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ (النحل: 66) اور دوسرے مقام پر فرمایا: مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا (المومنون: 21) اور الانعام، الانسان پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا پھر فعل مقدر کے ساتھ منصوب ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: دِفْءٌ، الدف کا معنی السخانة (گرم ہونا) ہے (2)، اور اس سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ گرمائش حاصل کی جاتی ہے یعنی ان کی اون سے، اونٹوں کے بالوں سے اور دیگر جانوروں کے بالوں سے یعنی لباس، لحاف اور کمبل وغیرہ (بناکر ان سے گرمائش حاصل کی جاتی ہے)۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: دفؤھا سے ان کی نسل مراد ہے (3)۔ واللہ اعلم۔

علامہ جوہری نے صحاح میں کہا ہے: الدفء سے مراد اونٹ کا بچے جننا، ان کا دودھ دینا اور دیگر منافع جو ان سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ اور حدیث میں ہے لنامن دِفئهم ما سلموا بالمیثاق (ہمارے لئے ان کے اونٹوں میں سے وہ ہیں جو انہوں نے معاہدہ کے ساتھ حوالے کئے) اور الدفء کا معنی السخونة (گرم ہونا) بھی ہے، اس معنی میں تو کہتا ہے: دَفِئَ الرجل دَفَاءَةً جیسا کہ کَرِہَ کَراھۃ ہے۔ (آدمی نے گرمی محسوس کی)۔ اور اسی طرح دَفِئَ اور دَفَأَ ہے مثلاً ظَمِئَ اور ظماً ہے۔ اور اسم الدِّفْءُ (کسرہ کے ساتھ) ہے اس سے مراد وہ شے ہے جو تجھے گرمائش پہنچائے، اور اس کی جمع الأدفاء ہے۔ آپ کہتے ہیں: ماعلیه دِفء (اس پر گرم لباس نہیں ہے) کیونکہ یہ اسم ہے۔ اور آپ یہ نہیں کہتے: ماعلیك دَفاءة، کیونکہ یہ مصدر ہے۔ اور آپ کہتے ہیں: اقعد فی دِفء ھذا الحائط ای کِنّه (آپ اس دیوار کے پردے میں بیٹھیں)۔ اور رجل دَفِئ علی فَعِلٍ جب وہ ایسا لباس پہنے جو اسے گرمی پہنچائے۔ اور اسی طرح

1۔ المحرر الوجیز، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 379　2۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 179

3۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1140

رجل دفآن اور امرأۃ دفاء ہے۔ اور تحقیق أدفأہ الثوب (کپڑے نے اسے گرمائش دی) و تدفأ ھو بالثوب (اس نے کپڑے کے ساتھ گرمائش حاصل کی) واستدفأ بہ، اور اذفأبہ اور یہ باب افتعال ہے، یعنی اس نے وہ لباس پہنا جو اسے گرمی پہنچاتا ہے۔ اور دَفُؤت لیلتنا (ہماری رات گرم ہو گئی) و ھو یوم دفِیٌ (اور وہ گرم دن ہے) یہ فعیل کے وزن پر ہے۔ اور لیلۃ دفیئۃ، (گرم رات) اور اسی طرح کپڑا اور گھر ہے۔ اور المدفِئۃ بہت زیادہ اونٹ، کیونکہ وہاں بعض بعض کو اپنی سانسوں کے ساتھ گرمی پہنچاتے ہیں، اور کبھی اسے مشدد پڑھا جاتا ہے اور المُدفَاۃ وہ اونٹ جس کے بال اور چربی بہت زیادہ ہو، یہ اصمعی سے منقول ہے۔

اور شماخ نے شعر بیان کیا ہے:

وکیف یَضِیعُ صاحبُ مُدْفآتٍ علی أثْبَاجِھن مِنَ الصَّقِیعِ

قولہ تعالیٰ: وَّ مَنَافِعُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: المنافع سے مراد ہر جانور کی نسل ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس سے مراد سوار ہونا، بوجھ اٹھانا، دودھ، گوشت اور گھی وغیرہ ہیں۔ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ صرف کھانے کی منفعت ذکر کی گئی ہے کیونکہ یہ تمام منافع میں سے عظیم منفعت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے تم ذبح کے وقت ان کا گوشت کھاتے ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اون کا لباس پہننے پر دلیل ہے (1)؛ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے قبل دیگر انبیاء علیہم السلام جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ نے اس کا لباس پہنا ہے۔ اور حدیث مغیرہ میں ہے: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک دھویا اور اون کا بنا ہوا شامی جبہ پہنے ہوئے تھے اس کی آستینیں تنگ تھیں...... الحدیث، اسے امام مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے: یہ متقی لوگوں کا شعار اور علامت ہے، صالحین کا لباس ہے، صحابہ کرام اور تابعین کا حسن ہے، اور زہاد اور عارفین کی پسند ہے، اور وہ نرم، سخت (کھردرا)، عمدہ، درمیانہ اور ردی (گھٹیا) سبھی قسم کا لباس پہنتے ہیں، اور اسی کی طرف لوگوں میں سے صوفیہ کی جماعت منسوب ہے، کیونکہ اکثر ان کا لباس یہی ہوتا ہے۔ پس (صوفیہ میں) یا نسبت کی ہے اور ھا تانیث کے لئے ہے (2)۔ ان کے بعض اشیاخ نے مجھے بیت المقدس طہرہ اللہ کے یہ شعر بیان کئے ہیں:

تشاجر الناسُ فی الصوفیّ واختلفوا فیہ وظنوہ مشتقاً من الصوف(3)

لوگوں نے صوفی کے بارے میں باہم جھگڑا کیا اور ان کا اس بارے میں اختلاف ہوا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ الصوف سے مشتق ہے۔

ولست انحَلُ ھذا الاسمَ غیرفتیً صَافَی فصُوفِیَ حتی سُمِّیَ الصوفی(4)

اور میں یہ نام اس جوان کے بغیر کسی کو نہیں دیتا جو خود خالص اور پاک ہوا اور اسے پاک صاف کیا گیا یہاں تک کہ اسے صوفی کا نام دے دیا گیا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1140 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝

"اور تمہارے لئے ان میں زیب وزینت بھی ہے جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح ان کو چرانے لے جاتے ہو۔"

الجمال وہ شے جس سے خوبصورتی اور زیب وزینت حاصل کی جائے۔ اور الجمال کا معنی حسن ہے۔ اور جمُل الرجل (ضمہ کے ساتھ) جمالاً فھو جمیل (آدمی حسین ہوا)، اور المرأۃ جمیلۃ (عورت حسین ہے) اور جملاء بھی صفت آتی ہے۔ یہ کسائی سے منقول ہے۔

اور شاعر نے کہا ہے:

فهي جَمْلاء كبدرٍ طالعٍ بَذّت الخلقَ جميعا بالجمال

اور ابوذؤیب کا قول ہے:

جمالَكَ ايها القلبُ القريح

مراد یہ ہے: تو اپنے حسن وجمال اور اپنے حیاء کو لازم پکڑ اور بری اور قبیح جزع فزع نہ کر۔

ہمارے علماء نے کہا ہے: پس حسن وجمال صورت اور ترکیب اعضاء میں ہوتا ہے، اور اخلاق باطنہ میں ہوتا ہے(1)، اور افعال میں ہوتا ہے، پس جہاں تک خلقت اور صورت کے حسن وجمال کا تعلق ہے تو وہ ایسا امر ہے جس کا ادراک آنکھ کر سکتی ہے اور اسے نرمی اور ملائمت کے ساتھ دل کی طرف متوجہ کر سکتی ہے، اور اس کے چہرے کی پہچان کے بغیر اور انسانوں میں سے کسی کی طرف اس کی نسبت کے بغیر نفس اس کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے۔ اور رہا اخلاق کا جمال تو یہ صفات محمودہ کی بنا پر ہوتا ہے مثلاً علم، حکمت ودانائی، عدل، پاکدامنی، غصہ کو پی جانا، اور ہر ایک کے لئے خیر کا ارادہ کرنا اور جہاں تک افعال کے جمال کا تعلق ہے تو اس کا وجود مخلوق کے مصالح اور منافع کے لئے ملائمۃ اور نرمی اختیار کرنے اور ان میں جلب منافع کے فیصلے کرنے اور ان سے شر اور برائی کو دور کرنے سے ہوتا ہے۔ اونٹوں اور چوپاؤں کا جمال جمال خلقت میں سے ہے، اور وہ آنکھوں کے ساتھ دکھائی دیتا ہے اور دیکھنے والوں کے موافق ہوتا ہے۔ اور ان کے حسن وجمال میں سے ان کا کثیر ہونا ہے اور لوگ جب انہیں دیکھیں تو ان کا یہ کہنا ہے کہ یہ فلاں کے جانور ہیں؛ یہ سدی نے کہا ہے۔ اور اس لئے کہ جب وہ شام کو چر کر واپس آتے ہیں تو ان کا حسن زیادہ ہو چکا ہوتا ہے، ان کی شان عظیم ہو جاتی ہے، اور دل ان کے ساتھ معلق ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس وقت چرنے کے سبب ان کا موٹاپا اور ان کے کھیر دودھ کے سبب بڑھے ہوئے ہوتے ہیں؛ یہ حضرت قتادہ نے کہا ہے۔ اسی معنی کی وجہ سے رواح (شام کے وقت واپس آنا) کو سراح (صبح کے وقت چرانے کے لئے لے جانا) پر مقدم کیا ہے کیونکہ ان کا دودھ اور ان کے سبب نفس کا سرور اس حالت میں مکمل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اشہب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ (النحل) اور یہ مویشیوں میں اس وقت ہوتا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1141

ہے جب وہ چراگاہ کی طرف آتے جاتے ہوں (1)۔ اور الرواح شام کے وقت چراگاہ سے واپس لوٹنا ہوتا ہے اور سراح صبح کے وقت اس کی طرف جانا ہوتا ہے، تو کہتا ہے: سرحت الابل أسرحها سرحا و سروحا جب تو صبح کے وقت اونٹ کو چراگاہ کی طرف لے جائے اور اسے چھوڑ دے، و سرحت یہ متعدی اور لازم دونوں صورتوں میں ایک ہی معنی میں ہے۔

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۟

اور (یہ جانور) اٹھالے جاتے ہیں تمہارے بوجھ ان شہروں تک جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر سخت مشقت سے، بے شک تمہارا رب بہت مہربان (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ، الأثقال سے مراد لوگوں کے بوجھ ہیں مثلاً ساز و سامان، اور اناج وغیرہ۔ اور یہی وہ ہے جسے اٹھانا انسان پر بھاری اور بوجھل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ان کے بدن ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۟ (الزلزلہ) (اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو) اور عکرمہ کے قول کے مطابق البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ عموم پر محمول ہے (2) ہر اس شہر کے بارے میں جس کے لئے خشکی کا راستہ ہے۔ اور شق الانفس سے مراد ان کی مشقت اور ان کی غایۃ جُہد ہے۔ قرأت عامہ شین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ جوہری نے کہا ہے: الشق کا معنی مشقت ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اور یہ کبھی مفتوح ہوتا ہے، اسے ابوعبیدہ نے بیان کیا ہے۔ مہدوی نے کہا ہے: شِقٌّ میں شین کے کسرہ اور اس کے فتحہ دونوں باہم متقارب ہیں، اور دونوں مشقت کے معنی میں ہیں اور یہ الشق فی العصا و نحوھا سے ماخوذ ہے۔ (ڈنڈے میں مشقت ہے) کیونکہ اس سے انسان سے پائی جانے والی مشقت کی مثل مشقت پائی جاتی ہے۔ اور ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ابوجعفر نے اَلَّا بِشَقِّ الْاَنْفُسِ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں، مثلاً رِق و رَق اور جِصّ و جَصّ اور رِطل و رَطل ہیں۔

اور شاعر کا قول شین کے کسرہ اور اس کے فتحہ دونوں کے ساتھ آتا ہے:

وذی إبل یَسْعَیٰ و یحسبھالہ أخِی نَصَب من شقھا و دُؤُبِ

اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر کے معنی میں ہو، یہ شققت علیہ أشُقّ شَقًّا (میں نے اسے مشقت میں ڈال دیا) سے ماخوذ ہے۔ اور الشق کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی نصف بھی ہے، کہا جاتا ہے: أخذتُ شِق الشاۃ و شِقۃ الشاۃ۔ (میں نے بکری کا نصف لیا) اور کبھی آیت سے یہ معنی مراد ہوتا ہے، یعنی تم اس تک پہنچنے والے نہیں ہو مگر قوت کے نقصان کے ساتھ اور اس سے نصف ختم کرنے کے ساتھ، یعنی تم اس تک نہیں پہنچ سکتے مگر اپنی نصف قوت کے ساتھ اور دوسرا نصف ختم کرنے کے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1141 2۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 180

ساتھ اور الشِق کا معنی پہاڑ کا کنارہ بھی ہے۔ اور ام زرع کی حدیث میں ہے: وجدنی فی اھل غُنیمہ بشق (اس نے مجھے پہاڑ کے کنارے اہل غنیمہ میں پایا)۔ ابو عبید نے کہا ہے: یہ جگہ کا نام ہے۔ اور الشق کا معنی الشقیق بھی ہے، کہا جاتا ہے: ھو أخی و شق نفسی (وہ میرا بھائی ہے اور میری جان کا حصہ ہے)۔ اور شِق عرب کے کاہنوں میں سے ایک کاہن کا نام ہے۔ اور الشق کا معنی الجانب (طرف) بھی ہے۔

اور اس معنی میں امرء القیس کا قول ہے:

إذا ما بَکیٰ مِن خَلْفِھا انصرفَتْ له بشِقّ و تحتِی شِقُّھا لم یحوّل

پس یہ لفظ کئی معنوں میں مشترک ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عمومی جانوروں کے ساتھ احسان فرمایا ہے، لیکن یہاں بوجھ اٹھانے میں صرف اونٹ کے ذکر کو تمام جانوروں پر فوقیت اور خصوصیت دی ہے، کیونکہ بکریاں چرنے کے لئے جانے اور ذبح کے لئے ہیں، اور گائیں ہل جوتنے کے لئے ہیں، اور اونٹ بوجھ اٹھانے کے لئے ہیں (1)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (2) انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس اثنا میں کہ ایک آدمی اپنی گائے ہانک کر لے جا رہا تھا اور اس نے اس پر بوجھ لاد دیا تو وہ گائے اس کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا: بلاشبہ مجھے اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ مجھے تو ہل جوتنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو لوگوں نے تعجب اور گھبراہٹ کی حالت میں کہا: سبحان اللہ؟ کیا یہ گائے باتیں کر رہی ہے؟'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک میں، ابو بکر اور عمر اس کی تصدیق کرتے ہیں۔'' تو یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ گائے پر نہ بوجھ لادا جا سکتا ہے اور نہ اس پر سوار ہوا جا سکتا ہے، بلکہ وہ ہل جوتنے کے لئے، کھانے کے لئے، نسل کشی کے لئے اور دودھ دینے کے لئے ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ جانوروں کے ساتھ سفر کرنا اور ان پر بوجھ لادنا جائز ہے، لیکن اتنی مقدار میں جسے وہ برداشت کر سکتے ہوں، بوجھ حد سے بڑھا ہوا نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ چال میں نرمی ہو (3)۔ تحقیق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نرمی برتنے، انہیں راحت اور سکون پہنچانے اور ان کے چارے اور ان کے پانی کو تلاش کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے (4)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم خوشحالی (اور شادابی) میں سفر کرو تو اپنے اونٹ کو زمین سے اس کا حصہ دو (یعنی اسے چرنے دو) اور جب تم قحط سالی میں سفر کرو تو پھر اسے اس کی منزل پر پہنچانے میں جلدی کرو۔'' اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں ابو عبید سے اور انہوں نے خالد بن معدان سے روایت کیا ہے۔ اور معاویہ بن قرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا ایک اونٹ تھا اس کو دموں کہا جاتا تھا، تو آپ اسے کہتے تھے: اے دموں! تو اپنے رب کے پاس میرے ساتھ جھگڑا نہ کرنا۔ پس جانور تو گونگے (بے زبان) ہیں یہ اس کی قدرت نہیں رکھتے کہ وہ بذات خود اس شے کا حیلہ کریں جس کے وہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1143 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

محتاج ہوتے ہیں، اور نہ وہ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ وہ اپنی حاجات کو کھلے بیان کر سکیں، پس جس نے ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا پھر اس نے ان کی ضروریات وحاجات کو ضائع کر دیا تو اس نے شکر ضائع کر دیا اور خصومت کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوگی۔ اور مطر بن محمد نے بیان کیا ہے، ابوداؤد نے ہمیں بیان کیا اس نے کہا ہمیں ابن خالد نے بیان کیا اس نے کہا ہمیں مسیب بن آدم نے بیان کیا اس نے کہا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے ایک ساربان کو مارا اور فرمایا: تو اپنے اونٹ پر اتنا بوجھ لادتا ہے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا......؟

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧

''اور اس نے پیدا کئے گھوڑے اور خچر اور گدھے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور (تمہارے لئے ان میں) زینت ہے اور پیدا فرمائے گا ایسی سواریوں کو جو تم نہیں جانتے۔''

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَّالْخَيْلَ یہ نصب کے ساتھ ہے اور معطوف ہے، یعنی و خلق الخیل (اور اس نے گھوڑے پیدا کئے) اور ابن ابی عبلہ نے وَّالْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْحَمِيْرُ ان تمام کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور گھوڑے کو خیل کا نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ اس کی چال میں اکڑ اور تکبر ہوتا ہے۔ اور خیل کا واحد خائل ہے، جیسا کہ ضائن، ضأنکا واحد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں۔ اور یہ پہلے سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے، اور ہم نے وہاں احادیث ذکر کی ہیں۔ اور جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا الگ ذکر کیا ہے تو یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ لفظ الانعام کے تحت داخل نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کے تحت داخل ہیں لیکن انہیں الگ اور منفرد اس لئے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ رکوب (سوار ہونا) ان کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، کیونکہ یہ عمل گھوڑوں، خچروں اور گدھوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے ہمیں جانوروں اور چوپاؤں کا مالک بنایا ہے اور انہیں ہمارے لئے مطیع کر دیا ہے، اور ہمارے لئے انہیں مسخر کرنا اور ان سے نفع اٹھانا مباح قرار دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے رحمت ہے، اور حیوانوں میں سے جس کا انسان مالک ہے اسے مسخر کرنا (مطیع بنانا) اس کے لئے جائز ہے اور اس کو کرائے پر دینا بھی اس کے لئے جائز ہے اس پر اہل علم کا اجماع ہے، ان کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اونٹوں اور چوپاؤں کے کرائے کا حکم کتب فقہ میں مذکور ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جانوروں اور اونٹوں پر بوجھ لادنے اور ان کے ساتھ سفر کرنے کے لئے ان کا کرایہ لینے میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ الآیہ۔ اور علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ ایک آدمی اپنا جانور اور سواری (اونٹ) ایک معین شہر تک کرائے پر دے اگرچہ وہ یہ ذکر نہ کرے کہ وہ کہاں اس سے اترے گا، اور کتنے گھاٹ ہیں جن پر وہ (اسے پانی پلانے کے لئے) اترے گا، اور اس کے چلنے کی رفتار کیسے ہوگی، اور کتنی بار وہ اپنے راستے میں اترے گا، اور انہوں نے اس بارے میں اس کی اجازت دی ہے جو لوگوں کے درمیان متعارف ہے۔ ہمارے علماء نے کہا

ہے: اور کرائے پر دینا قائم مقام بیوع (خرید وفروخت) کے ہوتا ہے ان چیزوں میں جو حلال ہوتی ہیں اور حرام ہوتی ہیں (یعنی حلال وحرام ہونے میں حکم بیوع کا ہے۔ جن کی بیع حلال ہے انہیں اجرت پر دینا بھی حلال ہے اور جن کی بیع حرام ہے انہیں اجرت پر دینا بھی حرام ہے۔) ابن القاسم نے کہا ہے: جس کسی نے جانور ایک معین جگہ تک ہروی کپڑے کے عوض کرائے پر لیا اور کپڑے کی اصل حقیقت (کوالٹی) اور اس کی پیائش بیان نہ کی، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیع میں اسے جائز قرار نہیں دیتے، اور وہ کرائے کے ثمن میں جائز قرار نہیں دیتے ہیں مگر وہی چیز جو بیع کے ثمن میں جائز ہوتی ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ، کیونکہ یہ اجارہ ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے: اور اہل علم میں سے وہ جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ان تمام نے اس پر اجماع کیا ہے کہ جس نے کوئی جانور کرائے پر لیا تاکہ وہ اسے اس پر دس قفیز گندم لادے گا پس اس نے اس پر اتنا بوجھ ہی لادا جس کی شرط لگائی پھر وہ جانور ضائع ہو گیا، ہلاک ہو گیا تو اس پر کوئی شے نہ ہو گی۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر اس نے اس پر دس قفیز جو لاد دیئے۔ اور انہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے جانور کرائے پر لیا کہ وہ اس پر دس قفیز لادے گا پھر اس نے اس پر گیارہ قفیز لاد دیئے، تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو ثور رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں کہتے ہیں: وہ جانور کی قیمت کا ضامن ہو گا اور اس پر کرایہ بھی ہو گا۔ اور ابن ابی لیلی نے کہا ہے: اس پر اس کی قیمت ہو گی اور اس پر اجرت نہ ہو گی۔ اور اس میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس پر کرایہ ہو گا اور اس پر اجرت میں سے ایک جز ہو گا اور جانور کی قیمت میں سے اس مقدار کے عوض ایک جز ہو گا جتنی مقدار معینہ بوجھ سے زائد لادی اور یہ حضرت نعمان رحمۃ اللہ علیہ، یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور ابن القاسم صاحب مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس پر کوئی ضمان نہ ہو گی جبکہ زائد قفیز جانور کے لئے باعث مشقت نہ ہو، اور یہ معلوم ہو کہ اس کی مثل سے جانور ہلاک نہیں ہو سکتا، اور جانور کے مالک کے لئے پہلے کرائے کے ساتھ ساتھ زائد قفیز کی اجرت بھی ہو گی، کیونکہ اس کا ہلاک ہونا اس زیادتی کی وجہ سے نہیں ہے۔ اور یہ مسافت میں مقررہ حد سے تجاوز کر جانے کے خلاف ہے، کیونکہ مسافت میں تجاوز کرنا مکمل طور پر تعدی اور زیادتی ہے لہٰذا وہ ضامن ہو گا جب جانور ہلاک ہو جائے چاہے وہ تجاوز قلیل مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں۔ اور مشروط بوجھ پر زیادتی میں اجازت اور تعدی دونوں چیزیں جمع ہیں، پس جب زیادتی ایسی ہے جس کی مثل سے جانور کی ہلاکت نہیں ہو سکتی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس کی ہلاکت اس سے ہوئی جس کی اجازت دی گئی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اور اہل علم نے ایسے آدمی کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو معلوم اجرت کے عوض مقررہ جگہ تک ایک جانور کرائے پر لیتا ہے، پھر وہ تعدی کرتا ہے اور اس مقررہ جگہ سے تجاوز کر جاتا ہے پھر لوٹ کر اس جگہ کی طرف آتا ہے جس کی اجازت دی گئی ہے (تو) اس کی طرف لوٹنے میں اختلاف ہے۔ پس ایک گروہ نے کہا ہے: جب اس نے اس معین جگہ سے تجاوز کر لیا تو وہ اس کا ضامن ہو گیا اور اس تعدی میں اس پر کرایہ نہیں ہو گا: اسی طرح ثوری نے کہا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: اس کے لئے مقررہ مسافت کی اجرت ہو گی، اور جو مقرر نہیں اس کی اجرت نہ ہو گی، لیکن چونکہ اس نے (وعدہ کا) خلاف کیا ہے لہٰذا وہ ضامن ہو گا، اور یہی یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا

ہے: اس پر اس کا کرایہ ہوگا جو مسافت مقرر تھی، اور اس کا کرایہ مثلی ہوگا جتنا اس نے تجاوز کیا، اور اگر جانور ہلاک ہوگیا تو اس کی قیمت لازم ہوگی، اسی طرح فقہائے سبعہ نے کہا ہے، اہل مدینہ کے مشائخ نے کہا ہے: جب وہ مقررہ مسافت تک پہنچ جائے پھر اس سے آگے نکل جائے تو اس پر اس زائد مسافت کا کرایہ ہوگا اگر وہ جانور محفوظ رہا اور اگر وہ ہلاک ہوگیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اور امام احمد، اسحاق اور ابو ثور نے کہا ہے: اس پر کرایہ اور ضمان دونوں ہوں گے۔ ابن منذر نے کہا ہے: اور یہی ہم بھی کہتے ہیں۔ اور ابن القاسم نے کہا ہے: جب وہ اس جگہ کی حد تک پہنچ جائے جہاں تک اس نے جانور کرائے پر لیا تھا پھر وہ ایک میل یا کئی میل یا بہت زیادہ آگے گزر گیا اور جانور ہلاک ہوگیا، تو اس کے مالک کے لئے پہلا کرایہ ہوگا اور جہاں تک وہ زائد آگے چلا گیا ہے اس کا کرایہ لینے میں اسے اختیار ہوگا یا پھر جانور کی وہ قیمت لے لے جو تعدی اور زیادتی بنتی ہے۔ ابن المواز نے کہا ہے: تحقیق یہ بھی روایت ہے کہ وہ اس کا ضامن ہوگا اگرچہ وہ ایک قدم بھی آگے بڑھے۔

ابن القاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے میل اور اس طرح کے پیمانے کی زیادتی کی صورت میں کہا ہے: اور رہی وہ مسافت (زیادتی) جس کو لوگ ایک مرحلہ کے برابر قرار دیتے ہیں تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ اور ابن حبیب نے ابن ماجشون اور اصبغ سے بیان کیا ہے: جب زیادتی تھوڑی ہو یا وہ اس مقررہ حد سے تھوڑا سا تجاوز کر جائے جو اس نے کرایہ پر لی تھی اور وہ مر جائے یا اس جگہ تک پہنچنے والے راستے میں مر جائے جہاں تک اس نے اسے کرائے پر لے رکھا تھا، تو اس کے لئے زیادتی کے کرائے کے سوا کچھ نہیں ہوگا، جیسا کہ اس کا اس مال کو لوٹانا جو اس نے ودیعت سے قرض لے رکھا تھا۔ اور اگر اس نے بہت زیادہ زیادتی کی جس میں اتنے زیادہ دن ٹھہرا رہا جس کی مثل میں اس کی چال بدل سکتی ہے تو وہ ضامن ہوگا، اسی طرح حکم ہے اگر جانور مقررہ حد سے تجاوز کرنے یا سفر کرنے کے درمیان مر گیا، کیونکہ جب زیادتی اتنی تھوڑی ہو جس کے بارے یہ جانا جا سکتا ہو کہ یہ اس کے قتل پر معاون و مددگار نہیں ہے اور اس کی ہلاکت معینہ جگہ تک واپس لوٹنے کے بعد ہوئی تو یہ بالیقین اس مال کی ہلاکت کی طرح ہے جو اس نے مال ودیعت سے قرض لیا تھا اور اس کے لوٹانے کے بعد وہ ہلاک ہوگیا۔ اور اگر زیادتی زیادہ ہو تو پھر وہ زیادتی اس کے قتل اور ہلاک ہونے میں معاون ہوگی۔ (لہٰذا اس پر ضمان ہوگی۔)

مسئلہ نمبر 5۔ ابن القاسم اور ابن وہب نے بیان کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً ؕ پس اس نے انہیں سواری اور زیب و زینت کے لئے بنایا ہے اور انہیں کھانے کے لئے نہیں بنایا ہے؛ اور اسی طرح اشہب سے بھی منقول ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا ہے: گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے سواری اور زیب و زینت پر نص بیان کر دی ہے تو یہ اس پر دلیل ہے کہ جو اس کے سوا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اور الانعام کے ذکر میں فرمایا: وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (النحل) اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس سے گرم لباس اور دیگر منافع کے ذکر کے ساتھ بھی احسان فرمایا۔ پس ان میں ذبح کو مشروع قرار دے کر ان کا کھانا ہمارے لئے مباح قرار دیا۔ اور اسی آیت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حکم بن عتیبہ نے استدلال کیا ہے، حکم نے کہا ہے: گھوڑوں کا گوشت کتاب اللہ میں حرام ہے، اور انہوں نے یہ اور اس سے پہلے والی آیت پڑھی اور کہا: یہ

کھانے کے لئے ہے اور یہ سواری کے لئے ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گھوڑے کے گوشت کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے اسے مکروہ قرار دیا، اور آپ نے یہی آیت تلاوت کی اور فرمایا: یہ سواری کے لئے ہے، اور آپ نے وہ آیت پڑھی جو اس سے پہلے ہے وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ پھر فرمایا: یہ کھانے کے لئے ہے۔ اور اسی طرح امام مالک، امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب، اوزاعی، مجاہد اور ابو عبید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے کہا ہے، اور انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے ابو داؤد، نسائی اور دارقطنی وغیرہم نے صالح بن یحییٰ بن مقدام بن معدیکرب سے انہوں نے اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے اور انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھوڑوں، خچروں، گدھوں، تمام چیر پھاڑ کرنے والے درندوں اور پنجوں کے ساتھ شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا (1)۔ یہ الفاظ دارقطنی کے ہیں۔

اور نسائی نے بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے۔'' اور جمہور فقہاء و محدثین نے کہا ہے: یہ مباح ہے۔ اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا گیا ہے۔ اور ایک گروہ علیحدہ ہو گیا ہے اور اس نے تحریم کا قول کیا ہے، ان میں سے ایک حکم ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ ان سے تین روایات رویانی نے ''بحر المذہب علی مذہب الشافعی'' میں بیان کی ہیں۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: وہ صحیح مذہب جس پر نظر و فکر اور خبر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز ہے، اور رہی آیت اور حدیث تو ان دونوں میں حجت لازمہ نہیں ہے، جہاں تک آیت کا تعلق ہے تو اس میں گھوڑوں کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اگر آیت اس پر دلالت کرے تو پھر یقیناً گدھوں کے گوشت کے حرام ہونے پر بھی دلالت کرے، اور یہ سورۃ مکی ہے، اور پھر کون سی حاجت اور ضرورت تھی کہ غزوہ خیبر کے سال گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دینے کی تجدید ہوئی حالانکہ اخبار میں گھوڑوں کا حلال ہونا ثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان آرہا ہے، اور یہ بھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے الانعام کا ذکر کیا، تو ان کے اغلب اور اہم ترین منافع کا بھی ذکر کیا، اور وہ بوجھوں کو اٹھانا اور (ان کا گوشت) کھانا ہے، اور ان کے ساتھ سوار ہونے اور ہل جوتنے کا ذکر نہ کیا اور نہ علاوہ ازیں کسی کی تصریح کی، حالانکہ ان پر سوار بھی ہوا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ہل بھی چلایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (غافر) اور گھوڑوں کے بارے میں فرمایا: لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِیْنَةً اور ان کے بھی اغلب منافع ذکر کئے اور جو ان سے مقصود ہے وہ ذکر کیا، اور ان پر بوجھ لادنے کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ وہ ان پر لادا جاتا ہے جیسا کہ عام مشاہدہ ہے اور اسی طرح ان کے کھانے کا ذکر نہیں کیا۔ اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کی جسے اس کا بیان بنایا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا جیسا کہ اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ اور

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی اکل لحوم الخیل، حدیث نمبر 3296، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً سنن ابن ماجہ، باب لحوم البغال، حدیث نمبر 3188، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس سے کہ انہیں سواری اور زیب و زینت کے لئے پیدا کیا گیا ہے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں نہ کھایا جائے، پس اس گائے کو اس کے اس خالق نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر شے کو بولنے کی طاقت دی پس اس نے کہا: بے شک اسے ہل جوتنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تو اس سے اس پر یہ لازم آتا ہے جس نے یہ علت بیان کی ہے کہ گھوڑوں کا گوشت نہیں کھایا جائے گا کیونکہ انہیں سواری کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ گائے کا گوشت بھی نہ کھایا جائے کیونکہ اسے ہل جوتنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

حالانکہ مسلمانوں نے اس کے کھانے کے جواز پر اجماع کیا ہے، پس اسی طرح گھوڑے بھی ہیں اور ان کے بارے سنت ثابتہ موجود ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں اجازت عطا فرمائی (1)۔ اور نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خیبر کے دن گھوڑوں کا گوشت کھلایا اور آپ نے گدھوں کے گوشت سے ہمیں منع فرمایا (2)۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے اسے خیبر کے دن کھایا یہ حال کی حکایت ہے اور آنکھوں دیکھا فیصلہ ہے، پس اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ضرورت کے تحت ذبح کئے ہوں، اور مخصوص احوال کے تحت جو فیصلے کئے جائیں ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا (3)۔ تو ہم کہیں گے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے اور آپ کی جانب سے یہ خبر دی جا رہی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑوں کا گوشت کھاتے تھے اور یہ اس احتمال کو زائل کر دیتا ہے، اور اگر ہم اسے تسلیم کر بھی لیں تو ہمارے پاس حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے انہوں نے بیان کیا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑا ذبح کیا اس حال میں کہ ہم مدینہ طیبہ میں تھے (4) اور ہم نے اسے کھایا؛ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور نص کے مقابلہ میں بغیر ترجیح کے ہر تاویل بلاشبہ وہ دعویٰ ہوتا ہے، پس نہ اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور نہ اس کی طرف مائل ہوا جائے گا۔ اور دارقطنی نے حدیث اسماء رضی اللہ عنہا میں حسین زیادتی روایت کی ہے جس پر ہر تاویل رفع ہو جاتی ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک گھوڑا تھا وہ مرنے کے قریب ہو گیا تو ہم نے اسے ذبح کر دیا اور پھر ہم نے اسے کھایا۔ پس اسے ذبح کرنا اس پر طاری ہونے والی موت کے خوف سے ہوا نہ کہ احوال میں سے کسی اور حاجت اور حالات کے سبب۔ وباللہ التوفیق۔

اور اگر کہا جائے: یہ حیوان ہے جو کھروں والا ہے پس اسے نہیں کھایا جائے گا جیسا کہ گدھے؟ تو ہم کہیں گے: یہ قیاس الشبہ ہے اور ارباب اصول نے اس کے بارے گفتگو میں اختلاف کیا ہے اور اگر ہم اسے تسلیم کر لیں تو پھر یہ خنزیر کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سینگوں والا ہے حالانکہ سینگوں والے جدا جدا ہیں۔ اور اس بنا پر بھی کہ قیاس جب نص کے مقابلہ میں ہو تو وہ وضعا ہی فاسد ہے لہٰذا وہ قابل التفات نہیں ہوگا۔ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا: ہے اس پر اجماع ہے کہ جن کے کھانے کا ذکر کیا گیا ہے ان پر سوار ہونا جائز ہے تو یہ اس پر دلیل ہے کہ جن کے لئے سواری کا ذکر کیا گیا ہے انہیں کھانا بھی جائز ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید، باب اکل لحوم الخیل، جلد 2، صفحہ 150
2۔ جامع ترمذی، کتاب الصید، باب اکل لحوم الخیل، جلد 2، صفحہ 1
3۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1144
4۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، جلد 2، صفحہ 77

مسئلہ نمبر 6۔ اور رہے خچر تو انہیں گدھوں کے ساتھ ملایا جاتا ہے، اگر ہم کہیں کہ بے شک گھوڑا کھایا جاتا ہے، تو یہ (خچر) دو عینوں سے پیدا ہوتا ہے جو دونوں نہیں کھائے جاتے (یعنی گھوڑا اور گدھا) اور اگر ہم کہیں کہ گھوڑا کھایا جاتا ہے، تو بے شک یہ (خچر) ایسے دو عینوں سے پیدا ہوتا ہے جن میں سے ایک (گھوڑا) کھایا جاتا ہے اور دوسرا (گدھا) نہیں کھایا جاتا۔ پس اصول قاعدہ کے مطابق اس پر تحریم غالب ہوگی (1)۔ اور اسی طرح جب دو کافروں کے درمیان سے پیدا ہونے والا بچہ کسی جانور کو ذبح کرے ان (کافروں) میں سے ایک کا ذبیحہ حلال ہو اور دوسرا اس اہل نہ ہو، تو اس کا ذبح کرنا درست نہیں ہوگا اور اس کے سبب اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ اور گدھوں کی تحریم کے بارے میں کلام سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور گدھا کھانے کے حرام ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس نے اپنا جوہر خبیث ظاہر کردیا ہے جس وقت وہ مذکر (یعنی اپنے جیسے گدھے) پر کود پڑا اور اس نے لواطت کی، پس اسے رجس (پلید) کا نام دے دیا گیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ آیت میں اس پر دلیل ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم پر ان چیزوں کے ساتھ احسان فرمایا جو اس نے ہمارے لئے مباح فرمائیں اور ہمیں ان کے منافع سے عزت وتکریم عطا فرمائی، تو پھر یہ جائز نہیں کہ ان میں کوئی تکلیف اور مشقت بغیر دلیل کے لازم ہو۔ تحقیق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن دینار سے انہوں نے سلیمان بن یسار سے انہوں نے عراک بن مالک سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان پر اس کے غلام میں اور اس کے گھوڑے میں کوئی صدقہ نہیں ہے (2)''۔ اور ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''گھوڑوں اور غلاموں میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے مگر غلام میں صدقۃ الفطر ہے (3)''۔ اور یہی امام مالک، امام شافعی، اوزاعی، لیث، ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے: اگر یہ سارے مونث (گھوڑیاں) ہوں یا مذکر اور مونث ملے جلے ہوں، تو پھر ہر گھوڑے میں ایک دینار ہے جبکہ وہ چرنے والے ہوں، اور اگر چاہے تو وہ اس کی قیمت لگالے اور پھر ہر دو سو درہم سے پانچ درہم ادا کرے۔ اور انہوں نے ایک اثر جو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چرنے والے گھوڑوں میں سے ہر گھوڑے میں ایک دینار ہے (4)۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: ''گھوڑے تین قسم کے ہیں (5) '' الحدیث۔ اور اس میں ہے: ''اور وہ ان کی گردنوں اور ان کی پشتوں میں اللہ تعالیٰ کا حق نہ بھولے (6)''۔

پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو غورک سعدی کے سوا کسی نے جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کیا۔ اور دارقطنی نے کہا ہے: جعفر سے روایت کرنے میں غورک منفرد ہے اور وہ بہت ضعیف ہے، اور اس کے نیچے بھی ضعفاء ہیں۔ اور رہی وہ حدیث جس میں حق کا ذکر کیا گیا تو وہ ان پر نکلنا ہے جب عام اعلان جنگ ہو جائے اور دشمن کے ساتھ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1145 2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1146

3۔ ایضاً سنن ابی داؤد، باب صدقۃ الرقیق، حدیث نمبر 1359، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

قتال کے لئے وہ متعین ہو جائیں جب وہ تعین اس پر ہو گیا اور وہ (لشکر سے) کٹ جانے والوں کو اس پر اٹھانے لگے جبکہ انہیں اس کی ضرورت ہو، تو اب اس پر یہ واجب ہو گیا جب یہ تعین ہو چکا، جیسا کہ اس پر متعین ہو جاتا ہے کہ وہ انہیں ضرورت کے وقت چارہ وغیرہ کھلائے، تو یہی ان کی گردنوں (ذاتوں) میں اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ اور اگر کہا جائے: یہ تو وہ حق ہے جو ان کی پشتوں میں ہے اور وہ حق باقی رہا جو ان کی گردنوں میں ہے۔ تو کہا جائے گا: تحقیق روایت یہ ہے لا ینسی حق اللہ فیھا، تو آپ کے ارشاد حق اللہ فیھا اور فی رقابھا و ظھورھا کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ معنی ایک ہی شے کی طرف لوٹ رہا ہے، کیونکہ حق ان کے سارے بدن کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ اور تحقیق علماء کی جماعت نے کہا ہے: بے شک یہاں حق سے مراد ان کی ملکیت کا حسن اور ان کے سیر ہونے (پیٹ بھرنے) کی دیکھ بھال کرنا، اور ان کے ساتھ اچھا اور خوبصورت سلوک کرنا، اور بغیر کسی مشقت کے ان پر سواری کرنا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ''تم ان کی پشتوں کو کرسیاں نہ بناؤ'' ان کی گردنوں کو ذکر کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ حقوق لازمہ اور فرائض واجبہ کے مقامات میں کثرت سے رقاب اور اعناق مستعار لی جاتی ہیں اور اسی سے یہ قول باری تعالیٰ ہے: فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء: 92) (پس مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔) اور عربوں کے نزدیک ان کا استعمال اور ان کا استعارہ کثیر ہے حتیٰ کہ انہوں نے اسے خوشحالی اور اموال میں بھی ذکر کیا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کثیر لوگوں کا یہ قول ہے:

غَمْر الرداء اذا تبسّم ضاحکا غَلِقتْ لِضَحْکَته رِقابُ المال

اور یہ بھی کیونکہ وہ حیوان جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کا نصاب اس کی جنس سے ہوتا ہے، تو جب گھوڑے اس سے خارج ہیں تو ہم نے جان لیا کہ ان میں زکوٰۃ ساقط ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی کہ صرف ان کی مونثات (گھوڑیوں) میں زکوٰۃ واجب کرنا بغیر مذکروں (گھوڑوں) کے تو یہ بھی ان کی طرف سے تناقض ہے حالانکہ حدیث میں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ اور ہم صدقہ و زکوٰۃ کی نفی میں مؤنثوں کو مذکروں پر قیاس کرتے ہیں، اس وجہ سے کہ یہ حیوان اپنی نسل کی حفاظت کے لئے رہیں نہ کہ دودھ کے لئے، اور اس کے مذکروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لہٰذا اس کے مؤنثوں میں بھی واجب نہ ہوگی جیسا کہ خچر اور گدھے ہیں۔

اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ اس کی مؤنثوں میں زکوٰۃ نہیں ہوتی اگرچہ وہ منفرد ہوں جیسا کہ اس کے مذکروں میں واجب نہیں ہوتی درآنحالیکہ وہ منفرد ہوں۔ یہی وہ مذہب ہے جس پر جمہور ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے: گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں جو خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حدیث زہری وغیرہ سے صحیح ہے۔ اور حدیث مالک سے مروی ہے، اسے ان سے جویریہ نے اور انہوں نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت سائب بن یزید نے کہا: تحقیق میں نے اپنے باپ کو دیکھا وہ گھوڑوں کی قیمت لگاتے پھر ان کی زکوٰۃ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیتے۔ اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے شیخ حماد بن ابی سلیمان رحمہم اللہ تعالیٰ کی حجت ہے، میں فقہائے امصار میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے ان دو کے سوا گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب کی ہو۔ اس کو روایت کرنے میں جویریہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منفرد ہے اور وہ ثقہ ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ قولہ تعالیٰ: وَ زِیْنَةً یہ اضمار فعل کے ساتھ منصوب ہے، اس کا معنی ہے: وجعلها زینة (اور اس نے انہیں زینت (اور خوبصورتی) بنایا)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مفعول من اجلہ ہے۔ اور الزینة سے مراد وہ شے ہے جس کے ساتھ تزئین اور خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے، اور یہ حسن و جمال اور زیب و زینت ہیں اگرچہ سامان دنیا میں سے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس میں اجازت عطا فرمائی ہے۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اونٹ اپنے مالکوں کے لئے عزت ہے اور بکری برکت ہے اور گھوڑے کی پیشانی میں خیر اور بھلائی ہے (1)''۔ اسے برقانی اور ابن ماجہ نے سنن میں نقل کیا ہے۔ اور سورۃ الانعام میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ بلاشبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت کو اونٹ میں جمع کیا ہے، کیونکہ اس میں لباس، کھانا، دودھ، بوجھ اٹھانا، اور جنگ میں شریک ہونا بھی امور ہیں اور اگرچہ حملہ اور فرار ہونا اسے نقصان پہنچائے اور آپ نے برکت بکریوں میں رکھی ہے اس لئے کہ ان میں لباس، کھانا، پینا اور کثرت اولاد ہے، کیونکہ یہ ایک سال میں تین بار بچے جنتی ہیں یہاں تک کہ سکون اور راحت ان کے پیچھے پیچھے ہوتی ہے اور یہ اپنے مالک کو اس پر پر جھکانے اور پہلو نرم کرنے کے بارے ابھارتی ہیں، بخلاف خیموں میں رہنے والے ان لوگوں کے جن کے پاس اونٹ کثیر مقدار میں ہوتے ہیں۔ اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر اور بھلائی کو گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ ملا دیا ہے جب تک زمانہ باقی ہے کیونکہ ان میں ایسے فوائد اور منافع ہیں جو کسب اور معاش کے لئے مفید ثابت ہوتے ہیں، اور جو دشمنوں کے قہر اور کافروں کے غلبہ اور اعلاء کلمۃ اللہ تعالیٰ میں سے اس تک پہنچاتے ہیں (2)۔

قولہ تعالیٰ: وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ جمہور نے کہا ہے: وہ پیدا فرمائے گا مخلوق سے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زمین خشکی اور تری کی نچلی تہوں میں کیڑے مکوڑوں اور دیگر موذی جانوروں کی اتنی اقسام پیدا فرمائے گا جن کو کسی انسان نے نہ دیکھا ہے اور نہ اس کے بارے سنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی ان میں سے وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کے اہل کے لئے اور جہنم میں اس کے اہل کے لئے تیار کی ہیں، ان میں سے جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور کسی کان نے اس کے بارے سنا نہیں اور کسی انسان کے دل میں اس کا تصور تک نہیں آیا۔ حضرت قتادہ اور سدی نے کہا ہے: اس سے مراد کپڑوں میں سوس (گھن) اور پھلوں میں کیڑوں کو پیدا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: مراد عرش کے نیچے چشمہ پیدا کرنا ہے، اسے ماوردی نے بیان کیا ہے (3)۔ ثعلبی نے بیان کیا ہے: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عرش کی دائیں جانب نور کی ایک نہر ہے جو سات آسمانوں، سات زمینوں، اور سات سمندروں کے ستر بار ہونے کی مثل ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سحری کے وقت اس میں داخل ہو کر غسل کرتے ہیں اور اس کے نور سے اپنے نور میں، اس کے حسن و جمال سے اپنے حسن و جمال میں اور اس کی عظمت و بڑائی سے اپنی بڑائی میں اضافہ کرتے ہیں، پھر پروں کو جھاڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر پر سے ستر ہزار قطرے نکالتا ہے، اور ہر قطرے سے ستر ہزار فرشتے پیدا فرماتا ہے، ان میں سے ہر روز ستر ہزار فرشتے بیت

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1142۔ ایضاً، سنن ابن ماجہ، باب اتخاذ الماشیۃ، حدیث نمبر 2295، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 181

المعمور میں، اور کعبہ معظمہ میں ستر ہزار داخل ہوتے ہیں اور پھر یوم قیامت تک اس کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

اور پانچواں قول یہ ہے .. اور یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''وہ سفید زمین ہے، سورج کی مسافت تیس دنوں کی ہے وہاں ایک مخلوق پیدا فرمائے گا وہ نہیں جانتے ہوں گے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے'' (1)۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، کیا وہ آدم کی اولاد سے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے''۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، تو ان میں سے ابلیس کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا ہے''..... پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اسے ماوردی نے ذکر کیا ہے (2)۔

میں (مفسر) کہتا ہوں، اسی معنی کی طرح وہ ہے جسے علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا: بے شک اندلس سے اتنا پرے اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جتنا ہمارے اور اندلس کے درمیان فاصلہ ہے، وہ نہیں جانتے کہ مخلوق نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے، ان کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے ہیں اور ان کے پہاڑ سونے اور چاندی کے ہیں، نہ وہ ہل چلاتے ہیں، نہ وہ کاشتکاری کرتے ہیں اور نہ کوئی اور کام وہ کرتے ہیں، ان کے درخت ان کے دروازوں پر ہیں ان کے ساتھ پھل ہیں اور یہی ان کا طعام اور کھانا ہے ان کے کچھ درخت ہیں ان کے پتے چوڑے چوڑے ہیں اور وہی ان کا لباس ہیں؛ انہوں نے اسے ''کتاب الاسماء والصفات'' کے باب بدء الخلق میں ذکر کیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ بن عقبہ کی حدیث ذکر کی ہے جو انہوں نے محمد بن منکدر سے اور انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حاملین عرش ملائکہ میں سے کسی فرشتے سے گفتگو کروں جس کے کان کی لو سے لے کر اس کے کندھے تک سات سو سال کی مسافت ہے''۔ (3)

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ۭ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

''اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا اور ان میں غلط راہیں بھی ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔''

قولہ تعالیٰ: وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ یعنی راہ راست کا بیان اور وضاحت اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے، اس کلام میں مضاف محذوف ہے اور وہ بیان ہے۔ اور السَّبِيْلِ سے مراد اسلام ہے یعنی رسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات اور دلائل و براہین کے ساتھ اس کی وضاحت کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اور قَصْدُ السَّبِيْلِ سے مراد سیدھی راہ ہے؛ کہا جاتا ہے: طریق قاصد یعنی وہ راستہ جو مطلوب اور منزل تک پہنچانے والا ہو۔ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ای و من السبیل جائر، یعنی ایسے راستے بھی ہیں جو حق سے پھرنے والے ہیں پس ان سے ہدایت اور راہنمائی حاصل نہیں کی جا سکتی۔

اور اسی سے امرء القیس کا قول ہے:

1۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 181 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داود، باب فی الجھمیۃ، حدیث 4102، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

و من الطریقة جائر و ھُدَی قَصْد السبیل و منه ذودَخَل

اور طرفہ نے کہا ہے:

عَدَوْلِیَةٌ أو من سَفِین ابن یَامِنٍ یَجُور بھا المَلّاح طَوْرًا و یَھتدِی

اس میں العدولیۃ کشتی ہے جو عَدَوْلی کی طرف منسوب ہے اور یہ بحرین کا ایک گاؤں ہے اور العدولِی سے مراد ملاح ہے؛ یہ صحاح میں ہے۔ اور قرآن کریم میں ہے وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الانعام: 153) (اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی)۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے و منھم جائر عن السبیل الحق،(1) یعنی ان میں سے راہ حق سے پھرنے والے بھی ہیں پس اس کی طرف راہنمائی نہیں پائی گئی۔ اور ان کے بارے میں دو قول ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مختلف خواہشات رکھنے والے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ اور دوسرا قول ہے وہ مِلل الکفر ہیں مثلاً یہودیت، مجوسیت اور عیسائیت۔ اور مصحف حضرت عبداللہ میں و مِنکم جائر ہے اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے و مِنکم کاف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے و عنھا جائر ای عن السبیل (یعنی راستے سے پھرنے والے۔) پس مِنْ بمعنی عن ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: مراد یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے تو اس کے لئے ایمان کا راستہ سہل اور آسان کر دیتا ہے، اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ فرمائے تو اس پر ایمان اور اس کے احکام ثقیل اور بھاری کر دیتا ہے۔ (من اراد اللہ ان یھدیہ سھل لہ طریق الایمان، و من اراد أن یضلہ ثقل علیہ الایمان و فروعہ)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: قَصْدُ السَّبِيْلِ کا معنی ہے تمہارا چلنا اور تمہارا لوٹنا۔ اور السبیل واحد ہے لیکن جمع کے معنی میں ہے، اسی لئے ضمیر مؤنث لائی گئی ہے اور فرمایا: وَ مِنْهَا اور لغت اہل حجاز کے مطابق سبیل مؤنث ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ یہ بیان فرمایا کہ مشیت اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے، اور یہ اس موقف کو صحیح قرار دے رہا ہے جو آیت کی تاویل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اختیار کیا ہے، اور یہ قدریہ اور ان کے موافق لوگوں کا رد کرتا ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ○

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لئے اس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو۔''

شراب سے مراد وہ (پانی) ہے جسے پیا جاتا ہے، اور شجر کا معنی تو معروف ہے یعنی وہ بارشوں سے درخت، بیلیں اور سبزہ اگاتا ہے۔ اور تُسِيْمُوْنَ اور تم (اسے) اپنے اونٹوں کو چراتے ہو۔ کہا جاتا ہے: سامت السائمة تسوم سَوْمًا (یعنی چرنے والا جانور چرا) فھی سائمة اور السَّوَام اور السائم دونوں ہم معنی ہیں، اور وہ چرنے والا مال ہے۔ اور السائم اور السائمۃ کی

1۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 181

جمع سوائم ہے۔ اور أسمتها أنا یعنی میں نے اسے چرنے کے لئے نکالا۔ پس میں مُسِیم ہوں اور وہ مُسامة اور سائمة ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا:

أَوْلٰى لَكَ ابنَ مُسِيمِ الأجمال (تیرے لئے اونٹ چرانے والے کا بیٹا ہونا اولیٰ اور بہتر ہے)

اور السّوم کا اصل معنی چراگاہ میں دور تک چلے جانا ہے۔ اور زجاج نے کہا ہے: یہ السّومة سے لیا گیا ہے اور اس کا معنی علامت ہے، یعنی یہ اپنے چرنے کے سبب زمین میں علامات اور نشانات چھوڑ جاتے ہیں یا یہ اس لئے ہے کیونکہ انہیں چراگاہ میں بھیجنے کے لئے نشانات لگائے جاتے ہیں۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: الخیل المسومة وہ گھوڑا ہوتا ہے جس کو چرایا جاتا ہے اور وہ ہوتا ہے جس کو کوئی علامت اور نشان لگایا گیا ہوتا ہے۔ اور قول باری تعالیٰ: مُسَوِّمِيْنَ (آل عمران) اخفش نے کہا ہے: وہ ہوتے ہیں جنہیں نشان لگائے گئے ہوں اور وہ ہوتے ہیں جو چھوڑ دیئے گئے ہوں۔ یہ تیرے اس قول سے ہے: سوّم فیها الخیل ای أرسلها یعنی اس نے گھوڑا اس میں چھوڑ دیا، اور اسی سے السائمة (چرنے والا) ہے، بے شک یہ (جمع) یاء اور نون کے ساتھ آئی ہے کیونکہ گھوڑوں کو بھیجا گیا اس حال میں کہ ان پر ان کے سوار بھی تھے۔

یُنۡۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝۱۱

"اگاتا ہے تمہارے لئے اس کے ذریعے (طرح طرح کے) کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور (ان کے علاوہ) ہر قسم کے پھل، یقیناً ان تمام چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتی ہے۔"

قولہ تعالیٰ: یُنۡۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ابوبکر نے حضرت عاصم سے تعظیم کی بنا پر ننبت نون کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔ عام قرأت یا کے ساتھ ہے۔ معنی یہ ہے ینبت الله لَكُمْ (یعنی الله تعالیٰ تمہارے لئے اگاتا ہے)۔ کہا جاتا ہے: نبتت الأرض و أبنتت یہ دونوں ہم معنی ہیں (زمین نے اگایا)، اور نبت البقل و أنبت یہ دونوں ایک معنی میں ہیں (یعنی سبزی اگی)۔ اور فراء نے شعر کہا ہے:

رأيتُ ذوِی الحاجات حول بیوتهم قَطِینا بها حتی اذا أنبت البقلُ

اس میں أنبت بمعنی نَبَتَ ہے۔ اور أبنته الله فهو منبوت (الله تعالیٰ نے اسے اگایا پس وہ اگ گئی)، تو یہ خلاف قیاس ہے۔ اور أنبت الغلام یعنی بچے کے زیر ناف بال نکل آئے۔ اور نَبَتَ الشجر غرسه (اس کے درخت لگانے نے درخت کو اگایا)۔ کہا جاتا ہے: نَبِّتْ أجلك بین عینیك (تو اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ)۔ اور نَبِتُّ الصبی تنبیتا یعنی تو نے بچے کی پرورش اور تربیت کی۔ اور المنبت سے مراد سبزہ اگنے کی جگہ ہے۔ کہا جاتا ہے: ما أحسن نابِتة بنی فلان یعنی اسی پر ان کے اموال اور ان کی اولاد بڑھ رہی ہے۔ اور نَبَتَتْ لهم نابتة جب ان کے چھوٹے بچے جوان ہو جائیں۔ اور ان

1۔ المحرر الوجیز، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 382

بنی فلان لنابتۃ شر (بے شک بنی فلاں شر پھیلا رہے ہیں) اور النوابت من الأحداث الأغمار (نوجوان بچے ناتجربہ کار ہیں)۔ اور النبیت یہ یمن کا ایک محلہ ہے۔ اور الینبوت، خشخاش کا پودا۔

یہ سب جوہری سے منقول ہے۔ وَالزَّيْتُوْنَ یہ زیتونۃ کی جمع ہے۔ اور نفس درخت کو بھی زیتونۃ کہا جاتا ہے اور پھل کو بھی زیتونۃ کہا جاتا ہے۔ پھلوں کی زکوٰۃ کا حکم سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بے شک اس اترنے اور اگانے میں لَاٰيَةً نشانی اور دلالت ہے۔ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ اس قوم کے لئے جو غور وفکر کرتی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیا تمہارے لیے رات، دن، سورج اور چاند اور تمام ستارے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں، بے شک ان تمام چیزوں میں (قدرت الٰہی) کی نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو دانشمند ہے۔''

قولہ تعالیٰ: وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے راحت وسکون پانے اور کام کرنے کے لئے رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص: 73) (اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا ہے تمہارے لئے رات اور دن کو تا کہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے) وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ یعنی یہ سب اوقات کو پہچاننے کے لئے، پھلوں اور کھیتوں کے پکنے کے لئے اور اندھیروں میں ستاروں سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے مطیع کر دیئے گئے ہیں۔ اور [حضرت ابن عباس اور] ابن عامر اور اہل شام نے وَالشمسُ والقمرُ والنجومُ مسخراتٌ پڑھا ہے۔ یعنی یہ مبتدا اور خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہیں۔ اور باقیوں نے ماقبل پر عطف کرتے ہوئے منصوب پڑھا ہے۔ اور حفص نے عاصم سے رفع کے ساتھ قرأت کی ہے یعنی وَالنُّجُوْمُ اور مُسَخَّرٰتٌ اس کی خبر ہے۔ اور والشمسَ وَالقمرَ والنجومَ کو اللیلَ والنہارَ پر عطف کرتے ہوئے نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور والنجومُ کو مبتدا ہونے کی بنا پر رفع دیا گیا ہے۔ اور مسخراتٌ کو رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ھی مسخراتٌ اور یہ اسے منصوب پڑھنے والوں کی قرأت میں حال مؤکدہ ہے، جیسا کہ اس قول میں ہے: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا (یعنی اس میں مصدقا حال مؤکدہ ہے) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ بے شک ان تمام چیزوں میں اس قوم کے لئے نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان چیزوں کی عقل اور سمجھ رکھتی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انہیں متنبہ کیا اور جس کی انہیں توفیق دی۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

''اور (علاوہ ازیں) جو پیدا فرمایا تمہارے لئے زمین میں (اسے بھی مسخر کر دیا) الگ الگ ہے ان کا رنگ و روپ، یقیناً ان میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔''

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَمَا ذَرَاَ یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ سب مسخر کر دیا جو زمین میں تمہارے لئے پیدا فرمایا اس میں ذَرَاَ بمعنی خلق ہے (یعنی پیدا فرمایا) ذَرَأَ اللهُ الخلق یذرؤهم ذرءًا یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، پس وہ ذارِئٌ (پیدا کرنے والا) ہوا۔ اور اسی سے الذُّرِّيَّة ہے یعنی جن وانس کی نسل (اولاد) مگر عربوں نے اس کا ہمزہ چھوڑ دیا ہے اور اس کی جمع الذراری ہے۔ کہا جاتا ہے: أنمى الله ذرأك و ذروك یعنی اللہ تعالیٰ تیری ذریت کو بڑھائے (اس میں برکت دے) اور الذرو اور الذَّرء کا اصل معنی جمع (اجتماع) سے متفرق اور علیحدہ ہونا ہے۔ اور حدیث میں ہے ذرء النار یعنی بے شک وہ جہنم کے لئے پیدا کئے گئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے وہ مسخر اور مطیع ہے مثلاً چوپائے، اونٹ اور دیگر حیوانات اور درخت وغیرہ، اور جو چیزیں ان کے سوا ہیں۔ اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں کعب الاحبار سے روایت کیا ہے، انہوں نے بیان کیا: اگر وہ کلمات نہ ہوتے جو میں پڑھتا ہوں تو یقیناً یہودی مجھے گدھا بنا دیتے۔ تو ان سے پوچھا گیا: وہ کلمات کیا ہیں؟ تو انہوں نے کہا: أعوذ بوجه الله العظيم الذی ليس شئ اعظم منه، و بكلمات الله التآمات التی لا يجاوزهن برّ ولا فاجر، و بأسماء الله الحسنى كلها ما علمت منها و ما لم اعلم، من شر ما خلق و برأ و ذرأ۔ اور اس میں یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت سفر پر لے جایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں میں سے ایک عفریت کو دیکھا کہ وہ آپ کو آگ کے شعلے کے ساتھ تلاش کر رہا ہے، الحدیث۔ اور اس حدیث میں ہے و شر ما ذرأ فی الارض (اور اس کے شر سے جو اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا ہے) ہم نے اس کا اور اس کی ہم معنی روایات کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اس میں مُخْتَلِفًا حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ اور اَلْوَانُهٗ سے مراد اس کی ہیئتیں اور اس کے مناظر ہیں، مراد چوپائے اور درخت وغیرہ ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ یعنی بے شک ان کے رنگ وروپ کے اختلاف میں لَاٰیَةً عبرت اور سبق ہے لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان بنائی ہوئی چیزوں کی تسخیر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر علامات اور نشانیاں ہیں اور یہ کہ اس کے سوا کوئی اور اس پر قادر نہیں ہو سکتا۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴

''اور وہی ہے جس نے پابند حکم کر دیا ہے سمندر کو تا کہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت اور نکالو اس سے زیور جسے تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ موجوں کو چیر کر جا رہی ہوتی ہیں سمندروں میں تا کہ (ان کے ذریعہ) تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تا کہ اس کا شکر ادا کرتے رہو۔''

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ سمندر کو مسخر کرنے کا معنی انسان کو اس میں تصرف کرنے کی قدرت

دینا ہے اور اسے سوار ہونے اور پناہ لینے کے لئے مطیع کرنا ہے (1)، اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات میں سے بہت بڑی نعمت اور احسان ہے، پس اگر وہ چاہے تو اسے ہم پر مسلط کر دے اور ہمیں غرق کر دے۔ سمندر اور اس کے شکار کے بارے بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اور یہاں اس کا نام لحم (گوشت) رکھا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گوشت تین جنس کے ہیں: پس چار پاؤں والے جانوروں کا گوشت ایک جنس ہے، پروں والوں کا گوشت ایک جنس ہے، اور پانی میں رہنے والوں کا گوشت ایک جنس ہے، پس ایک جنس کی بیع کرنا اپنی ہی جنس کے ساتھ متفاضلاً جائز نہیں ہے، اور گائے اور جنگلی جانور کے گوشت کی بیع کرنا پرندے اور مچھلی کے گوشت کے ساتھ یہ متفاضلاً جائز ہے (یعنی دونوں عوض مقدار میں برابر نہ ہوں)۔ اور اسی طرح پرندے کے گوشت کی بیع کرنا گائے، جنگلی جانور اور مچھلی کے گوشت کے عوض متفاضلاً جائز ہوں۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: تمام گوشت مختلف انواع کے ہیں جیسا کہ اس کے اصول مختلف ہیں، پس گائے کا گوشت ایک نوع ہے، بکری کا گوشت ایک نوع ہے، اور اونٹ کا گوشت الگ نوع ہے۔ اور اسی طرح جنگلی جانور بھی مختلف ہیں، اسی طرح پرندے ہیں اور اسی طرح مچھلیاں ہیں۔ اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ شتر مرغ، شکار، پرندہ اور مچھلی یہ سب ایک جنس ہے ان میں تفاضل جائز نہیں ہے۔ اور ان کے مذہب میں سے ان کے اصحاب کے نزدیک پہلا قول مشہور ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے ناموں میں ان کی زندگی میں فرق رکھا ہے پس فرمایا: ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ (الانعام: 143) (پیدا فرمائے) آٹھ جوڑے بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) پھر فرمایا: وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ (الانعام: 144) (اور اونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) پھر جب ان تمام سے گوشت کا قصد کیا تو فرمایا: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ (المائدہ: 1) (حلال کئے گئے ہیں تمہارے لئے بے زبان جانور) اور انہیں ایک گوشت کے ساتھ جمع کر دیا ان کے منافع قریب قریب ہونے کی وجہ سے جیسا کہ بکری کے گوشت کے منافع اور بھیڑ کے گوشت کے منافع باہم متقارب ہیں۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ (الواقعہ) (اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے) اور یہ اس طائر کی جمع ہے جو واحد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ لَا طٰٓىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ (الانعام: 38) (اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے) پس تمام پرندوں کے گوشت کو ایک اسم کے ساتھ جمع کر دیا۔ اور یہاں فرمایا: لَحْمًا طَرِيًّا پس مچھلی کی تمام اقسام کو ذکر واحد کے ساتھ جمع کر دیا، پس گویا چھوٹی مچھلیاں بڑی مچھلیوں کی طرح ہیں (کیونکہ) اس جمع میں دونوں داخل ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ ان سے بکری اور مینڈھے کے گوشت کے بارے پوچھا گیا کیا وہ ایک ہی شے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں اور کسی نے آپ سے اختلاف نہیں کیا پس یہ اجماع کی مثل ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

اور اس کے خلاف کوئی حجت نہیں ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام کی بیع سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ وہ برابر برابر ہو، تو بے شک لفظ طعام اپنے اطلاق میں گندم وغیرہ تمام ماکولات کو شامل ہوتا ہے لیکن گوشت کو شامل نہیں ہوتا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں

1۔ المحرر الوجیز، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 383

کہ جب کوئی کہنے والا یہ کہے: میں نے آج طعام کھایا۔ تو اس سے ذہن گوشت کھانے کی طرف نہیں جاتا، اور اس لئے بھی کہ یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معارض ہے: ”جب دو جنسیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو ان کی بیع کرو۔“ اور یہ دو جنسیں ہیں۔ اور یہ بھی کہ ہم نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ گوشت کی بیع کرنا پرندے کے گوشت کے ساتھ متفاضلاً جائز ہے اس کی علت یہ ہے کہ یہ طعام کی بیع ہے اس کی زکوٰۃ نہیں ہے اسے گوشت کے ساتھ بیچا گیا ہے جس میں زکاۃ نہیں ہے، اسی طرح مچھلی کی بیع تفاضل کیساتھ کرنا پرندے کے گوشت کے ساتھ یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اور رہی مکڑی! تو یہ ہمارے نزدیک مشہور ہے کہ اس کے بعض کی بیع تفاضل کے ساتھ بعض کے عوض کرنا جائز ہے۔ اور سحنون کے بارے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اس سے منع کرتے ہیں، اور اسی کی طرف بعض متاخرین بھی مائل ہیں اور اسے ان چیزوں میں سے گمان کیا ہے جو ذخیرہ کی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے ایسے آدمی کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے یہ قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا۔ تو ابن القاسم نے کہا ہے: مذکورہ چاروں انواع میں سے کسی نوع کا گوشت کھانے سے وہ حانث ہو جائے گا۔ اور اشہب نے المجموعہ میں کہا ہے: وہ حانث نہیں ہوگا مگر وحشی جانوروں وغیرہ کے علاوہ دیگر جانوروں کا گوشت کھانے سے، کیونکہ اس میں عرف اور عادت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور اسے لفظ کے اطلاق لغوی پر مقدم کیا گیا ہے (1)، اور یہی احسن ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ قولہ تعالیٰ: وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا اس میں حلیۃ (زیور) سے مراد موتی اور مرجان ہیں (2)، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ (الرحمٰن) (ان سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔) اور زیور کا نکالنا بلاشبہ صرف نمکین (سمندر) سے معروف ہے۔ اور کہا جاتا ہے: إن في الزمرد بحريا (بے شک زمرد سمندر سے حاصل کیا گیا ہے) اور ہذلی کو موتی کے وصف میں اپنے قول میں غلط قرار دیا گیا ہے:

فجاء بها من دُرّة لطيمة على وجهها ماء الفرات يدوم (3)

پس انہوں نے اسے میٹھے پانی سے قرار دیا ہے۔ پس زیور حق ہے اور یہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا اور انہیں تاج پہنایا گیا اور جنت کے جواہر کے ساتھ آراستہ اور مرصع کیا گیا تھا، اور آپ کو وہ انگوٹھی پہنائی گئی جس کے وارث آپ سے حضرت سلیمان بن داؤد صلوات اللہ علیہم بنے اور اس کو خاتم العز (عزت اور غلبے کی انگوٹھی) کہا جاتا تھا جیسا کہ روایت کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مردوں اور عورتوں پر اس کے ساتھ احسان عام فرمایا جو کچھ سمندر سے نکلتا ہے، پس اس میں سے کوئی شے ان پر حرام نہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مردوں پر سونا اور ریشم حرام قرار دیا ہے (4)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے صحیح میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم ریشم مت پہنو کیونکہ جس نے دنیا میں اسے پہن لیا وہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1147
2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1148
3۔ المحرر الوجیز، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 383
4۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1148

اسے آخرت میں نہیں پہنے گا(1)"۔اس کے بارے گفتگو عنقریب سورۃ الحج میں آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں ایسا نگینہ لگوایا جو آپ کی ہتھیلی کے باطن کے ساتھ ملا ہوتا تھا، اور اس میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نقش کروایا، تو لوگوں نے بھی اس کی مثل انگوٹھیاں بنوالیں، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا کہ انہوں نے یہ بنوالی ہیں تو آپ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: لا البسہ ابدا (میں کبھی بھی اسے نہیں پہنوں گا) بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ انگوٹھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہنی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وہ بئر اریس میں گر پڑی (2)۔ ابوداؤد نے کہا ہے: لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ جب آپ کے ہاتھ سے انگوٹھی گر پڑی۔ اور علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ تمام مردوں پر چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: عورتوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے، کیونکہ یہ مردوں کے لباس میں سے ہے، پس اگر وہ سونا نہ پائیں تو انہیں چاہئے کہ وہ اسے زعفران یا اس کے مشابہ کسی شی کے ساتھ زرد بنا دیں (یعنی سنہری بنا دیں) اور سلف و خلف میں سے جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی بنوانا حرام ہے، سوائے اس روایت کے جو ابوبکر بن عبدالرحمن اور خباب سے مروی ہے، وہ اس کے خلاف ہے اور شاذ ہے، اور ان دونوں میں سے کسی کو نہی اور نسخ کا حکم نہیں پہنچا۔ واللہ اعلم۔

اور رہی وہ روایت جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی دیکھی، پھر لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوائیں اور پہن لیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگوٹھی پھینک دی تو لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں (3)۔ اسے صحیحین نے نقل کیا ہے اور الفاظ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ علماء کے نزدیک یہ ابن شہاب کو وہم ہوا ہے، کیونکہ وہ انگوٹھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھینکی تھی بلاشبہ وہ سونے کی انگوٹھی تھی۔ اسے عبدالعزیز بن صہیب، ثابت اور قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور یہ اس کے خلاف ہے جسے ابن شہاب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے پس ایک کے مقابلے میں فیصلہ جماعت کے مطابق کرنا واجب ہے جبکہ وہ ایک جماعت کے مخالف ہو، اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی جماعت کی شہادت دیتی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ جب مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا اور اس سے زینت حاصل کرنا جائز ہے اور یہ ثابت ہے، تو علماء میں سے ابن سیرین وغیرہ نے مکروہ قرار دیا ہے کہ وہ اس میں نقش کروائے اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو۔ اور علماء کی جماعت نے اس میں نقش کرانے کو جائز قرار دیا ہے، پھر جب وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم یا کلمہ حکمت یا قرآن کریم میں سے کوئی کلمات نقش کروائے اور اسے اپنے بائیں ہاتھ میں پہنے، تو کیا وہ اس کے ساتھ بیت الخلا میں داخل ہو سکتا ہے اور اپنے

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم الاستعمال اناء الذہب والفضۃ، جلد 2، صفحہ 191

2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب خاتم الفضۃ، جلد 2، صفحہ 872

3۔ ایضاً

بائیں ہاتھ کے ساتھ استنجا کرسکتا ہے؟ تو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تخفیف کی ہے (اور رخصت دی ہے) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: اگر انگوٹھی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کندہ ہو اور آدمی اسے بائیں ہاتھ میں پہنتا ہو تو کیا وہ اس کے ساتھ استنجا کرسکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں امید کرتا ہوں کہ اسے رخصت ہوگی۔ اور آپ سے کراہت بھی مروی ہے اور یہی اَولیٰ ہے۔ اور آپ کے اکثر اصحاب نے اس سے منع کیا ہے۔

اور ہمام نے ابن جریج سے، انہوں نے زہری سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلا میں تشریف لے جاتے تھے تو اپنی انگوٹھی اتار لیتے (1)۔ ابوداؤد نے کہا ہے: یہ حدیث منکر ہے، اور بلاشبہ ابن جریج سے معروف ہے کہ انہوں نے زیادہ بن سعد سے انہوں نے زہری سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی پھر اسے پھینک دیا۔ ابوداؤد نے کہا ہے: اسے ہمام کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' نقش کروایا اور فرمایا: ''بے شک میں نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نقش کروایا ہے پس تم میں سے کوئی بھی اس نقش پر نقش نہ کروائے۔'' ہمارے علماء نے کہا ہے: یہ اس پر دلیل ہے کہ آدمی کے لئے انگوٹھی پر اپنا نام لگوانا جائز ہے۔ امام مالک نے کہا ہے: خلفاء اور قضاۃ کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے نام اپنی انگوٹھیوں پر کندہ کروائیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی یہ ہے کہ کوئی بھی آپ کی انگوٹھی کے نقش کی طرح نقش نہ بنوائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم اور صفت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی مخلوق کی طرف وصف رسالت کے ساتھ متصف ہے۔ اور اہل شام نے روایت کیا ہے کہ حاکم کے بغیر کسی کے لئے انگوٹھی بنوانا جائز نہیں ہے۔ اور انہوں نے اس بارے میں حدیث بھی روایت کی ہے۔ وہ ابوریحانہ سے مروی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس میں ضعف کی وجہ سے کوئی حجت نہیں ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: لا ینقشن أحد علی نقشہ (2) بھی اسے رد کرتا ہے، اور یہ تمام لوگوں کے انگوٹھی بنوانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، جبکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے نقش پر منقش نہ ہو۔ اور حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی کا نقش محمد یسأل اللہ العافیۃ تھا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی کا نقش حسبی اللہ و نعم الوکیل تھا۔ ترمذی الحکیم نے (نوادر الاصول) میں ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ (الرعد) تھا اور یہ سورۃ الرعد میں گزر چکا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ ان کے بیٹے نے ایک ہزار درہم کے عوض انگوٹھی خریدی ہے تو آپ نے اس کی طرف دیکھا: بے شک مجھے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ تو نے ہزار درہم کے عوض انگوٹھی خریدی ہے، پس تو اسے فروخت کردے اور اس سے ہزار بھوکوں کو کھانا کھلا۔ اور ایک درہم کے ساتھ لوہے کی انگوٹھی خرید لے، اور اس پر یہ لکھ رحم

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و سننہا، باب ذکر اللہ علی الخلاء، حدیث 298، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 873

اللہ امرء اعرف قدر نفسہ (اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے اپنے نفس کی قدر پہچان لی)۔

مسئلہ نمبر 8۔ جس کسی نے قسم کھائی کہ وہ زیور نہیں پہنے گا پھر اس نے موتی پہن لئے تو وہ حانث نہ ہوگا، یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا ہے: کیونکہ یہ وہ ہے جسے لغوی طور پر اسم اگرچہ شامل ہے لیکن قسم کے ساتھ اس کا قصد اور ارادہ نہیں، اور قسم عرف کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فراش پر نہیں سوئے گا پھر وہ زمین پر سویا تو حانث نہ ہوگا؟ اور اسی طرح کسی نے قسم کھائی وہ سراج (چراغ) سے روشنی حاصل نہیں کرے گا پھر وہ سورج کی روشنی میں بیٹھ گیا تو وہ حانث نہ ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فراش کا اور سورج کو سراج کا نام دیا ہے۔ اور امام شافعی، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: جس نے یہ قسم کھائی کہ وہ زیور نہیں پہنے گا اور اس نے موتی پہن لئے تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا اور جو کچھ اس (سمندر) سے نکلتا ہے وہ موتی اور مرجان ہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 9۔ قولہ تعالیٰ: وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ کشتی اور سمندر میں سوار ہونے کا ذکر سورۃ البقرہ وغیرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور قولہ تعالیٰ: مَوَاخِرَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: جَوَارِیَ (چلنے والیاں)، یہ جرت تجری سے ماخوذ ہے۔ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے اس کا معنی ہے: معترضة (چوڑی پھیلی ہوئی)۔ اور حسن نے کہا ہے: مواقر (یعنی لدی ہوئی) اور حضرت قتادہ اور ضحاک نے کہا ہے: یعنی وہ جا رہی ہیں اور آ رہی ہیں درآنحالیکہ وہ ایک ہی ہوا کے ساتھ آنے والی ہیں اور واپس جانے والی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مَوَاخِرَ سمندر کے اندر موجوں کو چیرتے ہوئے۔ اَلْمَخْرُ کا اصل معنی پانی کو دائیں بائیں سے چیرنا، شق کرنا ہے۔ مَخَرَتِ السفینۃ تَمْخَرُ وتَمْخُرُ مَخْرًا و مُخُوْرًا جب کشتی پانی کو چیرتے ہوئے آواز کے ساتھ چلے، اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ یعنی تو انہیں چلتے ہوئے دیکھتا ہے۔ یہ جوہری نے کہا ہے۔ اور مَخَرَ السابحُ جب تیرنے والا اپنے سینے کے ساتھ پانی کو شق کرے، چیرے۔ اور مخر الارض اس نے زمین کو کاشت کے لئے پھاڑا۔ اور مَخَرَها بالماء جب زمین میں پانی روک لیا جائے یہاں تک کہ وہ أریضۃ ہو جائے، یعنی وہ کھیتی کا بہترین اور عمدہ سبزہ اگانے کے قابل ہو جائے۔ اور علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: لغت میں المخر کا معنی ہے ہوا کے چلنے کی آواز اور یہ پانی میں ہونے کے ساتھ مقید نہیں، اور کہا: بے شک اس بارے میں واصل مولی ابی عیینہ کا قول ہے: جب تم میں سے کوئی بول (چھوٹا پیشاب) کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اجسام میں ہوا کی آواز میں غور و فکر کرے کہ وہ کس سمت سے آ رہی ہے، پھر وہ اس کی طرف منہ کرنے سے اجتناب کرے تاکہ اس کا بول اس پر لوٹ کر نہ آئے۔ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ یعنی چاہئے کہ تم اس پر تجارت اور طلب منفعت کے لئے سوار ہو۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ یہ سب سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ والحمد للہ۔

وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

''اور اللہ تعالیٰ نے گاڑ دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے تمہارے ساتھ اور نہریں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1148

جاری کر دیں اور راستے بنا دیئے تاکہ تم (اپنی منزل کی) راہ پا سکو۔"

قولہ تعالیٰ: وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں ثابت رہنے والے پہاڑ گاڑ دیئے ہیں۔ رسا یرسو جب وہ ثابت اور پختہ ہو جائے۔

جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

فصبرتُ عارِفةً لذالك حُرَّةً ترسو إذا نفسُ الجبَان تطلّعُ

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ ای لئلا تمید (تاکہ وہ لرزتی نہ رہے)، یہ کوفیوں کے نزدیک ہے۔ دکراهیة أن تمید (یعنی اس کے لرزنے کو ناپسند کرتے ہوئے)؛ یہ بصریوں کے قول کے مطابق ہے۔ اور المید کا معنی ہے دائیں بائیں جھومنا اور لرزنا، اضطراب کا اظہار کرنا۔ ماد الشئ یمید میدًا جب وہ شے حرکت کرے، اور مادت الأغصان جب ٹہنیاں جھک جائیں، اور ماد الرجل جب آدمی اکڑ کر چلے، تکبر کا اظہار کرے۔ وہب بن منبہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے زمین کو تخلیق فرمایا تو وہ لرزنے لگی اور آگے پیچھے ہلنے لگی، تو فرشتوں نے کہا: بے شک یہ تو کسی کو اپنی پشت پر نہیں ٹھہرنے دے گی۔ پس انہوں نے صبح اس حال میں کی کہ اسے پہاڑوں کے ساتھ ثابت اور مضبوط کر دیا گیا تھا، اور ملائکہ نہ جان سکے کہ پہاڑ کس سے پیدا کر دیئے گئے۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو تخلیق فرمایا تو یہ ہلنے لگی اور جھک گئی اور کہنے لگی: اے میرے پروردگار! کیا تو مجھ پر اسے رکھے گا جو گناہوں اور خطاؤں کا عمل کریگا، اور مجھ پر مردار اور بدبو ڈالے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے وہ جنہیں تم دیکھ رہے ہو اور وہ جنہیں تم نہیں دیکھ رہے۔ اور ترمذی نے کتاب التفسیر کے آخر میں روایت بیان کی ہے کہ محمد بن بشار نے ہمیں بیان کیا (اس نے کہا) ہمیں یزید بن ہارون نے بیان کیا (اس نے کہا) ہمیں عوام بن حوشب نے سلیمان بن ابی سلیمان سے، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو تخلیق فرمایا تو یہ لرزنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ تخلیق فرمائے اور ان کے ساتھ اس پر توجہ کی (یعنی انہیں اس میں گاڑ دیا) تو یہ ٹھہر گئی، پختہ ہو گئی۔ تو ملائکہ کو پہاڑوں کی شدت اور سختی پر تعجب ہوا اور کہا: اے رب! کیا تیری مخلوق میں سے کوئی شے پہاڑوں سے زیادہ سخت بھی ہے تو رب کریم نے فرمایا: ہاں وہ لوہا ہے، انہوں نے عرض کی: اے رب! کیا تیری مخلوق میں سے کوئی شے لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے؟ رب کریم نے فرمایا: ہاں وہ آگ ہے۔ پھر عرض کی: اے رب! کیا تیری مخلوق میں سے کوئی شے آگ سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا: ہاں وہ پانی ہے۔ انہوں نے عرض کی: اے رب! کیا تیری مخلوق میں سے کوئی شے پانی سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا: ہاں وہ ہوا ہے۔ پھر عرض کی: اے رب! کیا تیری مخلوق میں سے کوئی شے ہوا سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا: ہاں وہ ابن آدم (انسان) ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے اور اسے اپنے بائیں ہاتھ سے مخفی رکھتا ہے (1)۔" ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب خلق الانسان هلوعا لایتمالك، جلد 2، صفحہ 327

ایضاً، جامع ترمذی، باب ومن سورۃ المعوذتین، حدیث نمبر 3291، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: یہ حدیث غریب ہے، ہم اس سند کے سوا اسے مرفوع نہیں پہچانتے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس آیت میں اسباب کے استعمال پر بہت بڑی دلیل ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ بغیر پہاڑوں کے اسے ساکن کرنے پر قدرت رکھتا تھا۔ اور یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ وَ اَنْهٰرًا یعنی اس میں نہریں بنا دیں یا اس میں نہریں رکھ دیں۔ وَّ سُبُلًا یعنی اس میں راستے بنا دیئے۔ لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تا کہ تم ان شہروں کی طرف راہ پا سکو جہاں جانے کا تم قصد کرتے ہو پس تم بھٹکتے نہیں اور نہ حیرت زدہ ہوتے ہو۔

وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝۱۶

''اور (راستوں پر) علامتیں بنا دی ہیں اور ستاروں کے ذریعہ سے وہ راہ یاب ہوتے ہیں۔''

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَ عَلٰمٰتٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: علامات سے مراد دن کے وقت راستوں پر لگائی گئی نشانیاں ہیں (1)، یعنی راستوں کے لئے ایسی علامات اور نشانیاں مقرر کر دی گئی ہیں جن سے راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ یعنی رات کے وقت وہ ستاروں کے ذریعے سے راہ یاب ہوتے ہیں، اور النجم سے النجوم (ستارے) مراد لئے جاتے ہیں۔ اور ابن وثاب نے وبالنُّجُمِ پڑھا ہے۔ اور حسن نے نون اور جیم دونوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس سے مراد النجوم ہے، پس اسے کم کر دیا ہے۔ (یعنی قصر کیا ہے)۔

جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

إِنَّ الفقير بيننا قاضٍ حَكَمْ أن ترِد الماءَ إذا غاب النُّجُم

اور اسی طرح اس کے بارے قول ہے جس نے النُّجْم پڑھا ہے مگر یہ کہ اس نے تخفیف کے لئے جیم کو ساکن کر دیا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ النُّجْم نَجْمٌ کی جمع ہو جیسا کہ سَقْفٌ کی جمع سُقُفٌ ہے اور النجوم کے بارے میں اختلاف ہے؛ پس فراء نے کہا ہے: مراد جَدْی (قطب کے پاس ایک ستارہ جس سے قبلہ کی شناخت کی جاتی ہے اور اس کو جدی الفرقد بھی کہتے ہیں) اور الفرقدان (فرقد وہ ستارہ جو قطب شمالی کے قریب ہے اور اس سے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں اور اس کی دوسری جانب میں ایک دوسرا ستارہ ہے جو اس سے روشنی میں کم ہے پھر دونوں کو فرقدان کہتے ہیں [المنجد] ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے: مراد ثریا ہے۔

جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

حتى إذا ما استقلَّ النَّجْمُ في غَلَسٍ و غُودر البقْلُ مَلْوِيٌّ و محصودُ

ای منه ملوِيٌّ و منه محصود۔ (اسی ستارے) سے ان کا نشوونما پانا، بڑھنا ہے اور اسی سے کاٹنے کے وقت کو پہنچنا ہے) اور یہ ثریا کے طلوع کے وقت ہوتا ہے۔ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: علامات سے مراد پہاڑ ہیں۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے (2): یہ ستارے ہی ہیں؛ کیونکہ وہ ستارے ہی ہیں جن سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے، اور انہیں میں سے وہ ہیں جو

1۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 182 2۔ ایضاً

ایسی علامت ہوتے ہیں جس سے راہنمائی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: قول باری تعالیٰ: وَ عَلٰمٰتٍ پر کلام مکمل ہوگئی۔ پھر نئی کلام کا آغاز کیا اور فرمایا: وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اور پہلے قول کے مطابق یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے علامات بنادی ہیں جن سے تم راہنمائی حاصل کرتے ہو۔ اور علامات میں سے ہوائیں ہیں جن سے راہنمائی لی جاتی ہے۔ اور اهتداء سے جو مراد ہے اس کے بارے دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے...... سفروں میں راہنمائی حاصل کرنا(1)، یہ جمہور کا قول ہے۔ اور دوسرا۔ قبلہ سمت معلوم کرنے میں راہنمائی لینا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قول باری تعالیٰ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ کے بارے پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن عباس! وہ الجدی (ستارہ) ہے، اسی پر تمہارا قبلہ ہے اور اس سے تم اپنے خشکی اور بحری سفر میں راہنمائی لے سکتے ہو'۔ اسے ماوردی نے ذکر کیا ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے(3): رہے تمام ستارے تو ان سے راہنمائی وہ حاصل کرسکتا ہے جو ان کے طلوع وغروب ہونے کے مقامات کو جانتا ہو، اور ان میں سے جنوبی اور شمالی کے درمیان فرق کرسکتا ہو، اور بعد میں آنے والوں میں یہ بہت کم ہے۔ اور رہا ثریا تو اس سے راہنمائی حاصل نہیں کرسکتا مگر وہی جو تمام ستاروں سے راہنمائی لے سکتا ہو۔ اور بلاشبہ ہر ایک کیلئے جدی اور فرقدین کے ساتھ راہنمائی ممکن ہے، کیونکہ یہ وہ ستارے ہیں جن کے مطالع ظاہرہ اور سمت ثابتہ معین جگہ اور محل کے ساتھ محصور ہے، کیونکہ یہ قطب ثابت کے اردگرد معین مدار میں چکر لگاتے ہیں، پس یہ خشکی میں مخلوق کی راہنمائی کیلئے بالکل ظاہر ہیں جب راستہ گم ہو جائے، معلوم نہ ہو، اور سمندر میں کشتیوں کے چلنے کے وقت اور قبلہ سمت جب مجہول ہو جائے تو اس کیلئے یہ راہنمائی کرتے ہیں، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ قطب کو اپنے بائیں کندھے کی پشت پر رکھو تو جس طرف آپ کا منہ ہوگا تو وہی جہت قبلہ ہوگی۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے النجم کے بارے پوچھا، تو آپ نے فرمایا: ''وہ جدی ہے اسی پر تمہارا قبلہ ہے اور اسی کے ساتھ تم اپنے خشکی اور سمندر کے سفر میں راہنمائی حاصل کرتے ہو(4)''۔ وہ یہ کہ جدی کے آخر میں بنات نعش الصغریٰ ہیں (بنات نعش الکبریٰ قطب شمالی کے رخ میں سات ستارے ہیں، انہیں کے قرب میں بنات نعش الصغریٰ کے سات ستارے ہیں۔ المنجد) اور قطب وہ ہے جس پر ان کے درمیان میں سیدھا قبلہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے کہا ہے: قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دو وجہوں پر ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اسے دیکھے اور اس کا معائنہ کر رہا ہو تو اس صورت میں لازم ہے کہ وہ سیدھا اس کی طرف منہ کرے اور اپنا سارا بدن اس کی طرف کرنے کا ارادہ کرے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے...... کہ کعبہ معظمہ اس طرح ہو کہ وہ اسے دیکھ نہ رہا ہو تو اس صورت میں اس کی طرف منہ کرنا لازم ہوتا ہے اور دلائل سے اس کے سامنے ہونا ضروری ہے، اور وہ سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، اور ہر وہ

1۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 183
2۔ ایضاً
3۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1149
4۔ تفسیر الماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 183

شے ہے جس کے ساتھ اس کی جہت کو پہچاننا ممکن ہوتا ہے، اور جس سے قبلہ غائب ہو جائے اور اس نے اجتہاد کرتے ہوئے اس کے سوا دوسری سمت منہ کر کے نماز پڑھ لی اور یہ ان میں سے ہو جن کے لیے اجتہاد ممکن ہوتا ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی اور جب کسی نے اجتہاد اور استدلال کرتے ہوئے نماز پڑھی پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لئے ظاہر ہوا کہ اس نے غیر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھی ہے تو وہ نماز کا اعادہ کرے اگر نماز کا وقت ہو، اور یہ اس پر واجب نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنا فرض اس طریقہ پر ادا کیا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ یہ مکمل بحث سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۷

”کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے“۔

قولہ تعالیٰ: اَفَمَنْ يَّخْلُقُ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ مراد بت ہیں۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ان بتوں کے بارے خبر دی گئی ہے جو نہ کچھ بنا سکتے ہیں اور نہ کسی کو نقصان اور نفع پہنچا سکتے ہیں، جیسا کہ اس کے بارے خبر دی جارہی ہے جو اس طور پر عمل کرتا ہے جیسے عمل کا عرب اس سے مطالبہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ ان (بتوں) کی عبادت کرتے تھے اور اسے لفظ مَنْ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ یہ قول ہے اَلَهُمْ اَرْجُلٌ (الاعراف: 195) (کیا ان کے پاؤں ہیں۔) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ذکر میں ضمیر خالق کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ فراء نے کہا ہے: یہ عربوں کے اس قول کی طرح ہے: إشتبه على الراكب و جمله فلا ادري مَن ذا و مَن ذا۔ (مجھ پر سوار اور اس کا اونٹ مشتبہ ہیں پس میں نہیں جانتا یہ کون ہے اور یہ کون ہے۔) اگرچہ ان دونوں میں سے ایک انسان نہیں ہے۔ اور مہدوی نے کہا ہے: کہ مَنْ کے ساتھ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے اور اس کے بارے ما کے ساتھ سوال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ما کے ساتھ اجناس کے بارے سوال کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جنس نہیں، اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا جس وقت ان کو فرمایا: فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝۴۹ (طٰہٰ) (پس تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ) اور یہ جواب نہ دیا جس وقت ان کو کہا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۳ (الشعراء) مگر من کے جواب کے ساتھ اور ما کے جواب سے اضراب کیا جس وقت سوال فاسد تھا۔ اور آیت کا معنی یہ ہے: من كان قادرا على خلق الاشياء المتقدمة الذكر كان بالعبادة أحق فمن هو مخلوق لا يضر ولا ينفع۔ (جو ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے جن کا ذکر پہلے ہوا وہ اس سے زیادہ عبادت کا مستحق ہے جو مخلوق ہے اور نفع و نقصان نہیں دے سکتا۔) هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (لقمان: 11) (یہ تو ہے اللہ کی تخلیق (اے مشرکو!) اب ذرا دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے اس کے سوا؟ (کچھ بھی نہیں) اور اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ (الاحقاف: 4) (مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے۔)

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ۝۱۹

''اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم انہیں گن نہیں سکو گے، یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔''

قولہ تعالیٰ: وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اس کا ذکر سورۂ ابراہیم میں گزر چکا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑱ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اسے بھی جو تم چھپاتے ہو اور اسے بھی جو تم ظاہر کرتے ہو...... یہ سب پہلے گزر چکا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ⑳ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ㉑

''اور جو لوگ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا (غیروں کو) وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز، بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں وہ زندہ نہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ کب انہیں اٹھایا جائے گا۔''

قولہ تعالیٰ: وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قرأۃ عامہ تَدْعُوْنَ، تا کے ساتھ ہے کیونکہ اس کا ماقبل خطاب ہے۔ ابوبکر نے عاصم سے اور ہبیرہ نے حفص سے یَدْعُوْنَ یا کے ساتھ روایت کیا ہے، اور یہی یعقوب کی قرأت ہے...... اور رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد: مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ تو سب خطاب کی بنا پر تا کے ساتھ ہیں، سوائے اس کے جو ہبیرہ نے حفص سے اور انہوں نے حضرت عاصم سے روایت کیا ہے کیونکہ انہوں نے یا کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا یعنی وہ کسی شے کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ (بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں)۔ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ای هم اموات یعنی وہ مردہ ہیں، مراد بت ہیں، نہ ان میں روحیں ہیں، نہ وہ سنتے ہیں اور نہ وہ دیکھتے ہیں، یعنی وہ جمادات ہیں تو تم کیسے ان کی عبادت کرتے ہو حالانکہ حیات کے سبب تم ان سے افضل ہو۔ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اور وہ (یعنی بت) نہیں سمجھتے۔ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ سلمی نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اِیَّانَ پڑھا ہے، اور یہ دونوں لغتیں ہیں، اور یہ یُبْعَثُوْنَ کے سبب محل نصب میں ہے اور یہ استفہام کے معنی میں ہے۔ اور اس کا معنی ہے وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ اور انہیں اس سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے آدمیوں کو تعبیر کیا جاتا ہے (2)، کیونکہ وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ان کے بارے عقل و سمجھ رکھتے ہیں اور جانتے ہیں اور وہ ان کی اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت کریں گے، پس ان کا خطاب اسی انداز پر جاری ہوا۔ اور تحقیق کہا گیا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بتوں کو اٹھائے گا اور ان کے لئے ارواح ہوں گی پس وہ ان کی عبادت سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے، اور وہ دنیا میں جمادات ہیں وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائیں جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بتوں کو اٹھایا جائے گا اور ان میں روحوں کو ملایا جائے گا اور ان کے ساتھ ان کے شیاطین بھی ہوں گے پس وہ اپنی پوجا کرنے والوں سے برأت کا اظہار کریں گے، پھر شیاطین اور مشرکین کو جہنم کی طرف لے جانے کا حکم دے دیا جائے گا، اور کہا گیا ہے: بے شک بتوں کو ان کی پوجا کرنے والوں سمیت قیامت کے دن جہنم میں پھینکا جائے گا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 386 2۔ ایضاً

اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98) (اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔) اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ پر کلام مکمل ہو گئی ہے۔ پھر آغاز کیا اور مشرکین کا وصف بیان کیا کہ وہ مردہ ہیں، اور یہ موت کفر کی موت ہے۔ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ یعنی کفار نہیں جانتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا، یعنی اٹھائے جانے کا وقت کیا ہے، کیونکہ بعث بعد الموت کے بارے ایمان ہی نہیں رکھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کرنے کی تیاری کریں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یعنی وہ نہیں جانتے کہ قیامت کب آئے گی، شاید وہ قریب آ چکی ہو۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۲۲ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝۲۳

تمہارا خدا (بس) خدائے واحد ہے، پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر ان کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ پسند نہیں کرتا غرور و تکبر کرنے والوں کو۔"

قولہ تعالیٰ: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ جب یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا محال ہے تو اب یہ بیان کیا کہ معبود واحد و یکتا ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے۔ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ یعنی ان کے دل نہ کوئی وعظ و نصیحت قبول کرتے ہیں اور نہ ان میں ذکر اثر انداز ہوتا ہے، یہ قدریہ کا رد ہے۔ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ یعنی وہ حق قبول کرنے سے تکبر اور غرور کرنے والے ہیں۔ استکبار کا معنی سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر وہ قول و عمل جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں پس وہ انہیں بدلہ اور جزا دے گا۔

خلیل نے کہا ہے: لَا جَرَمَ کلمہ تحقیق ہے اور یہ صرف جواب کے لئے آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: فعلوا ذالك (انہوں نے ایسا کیا)، فیقال: لا جرم سیندمون۔ (تو کہا جائے گا: یقیناً وہ نادم اور شرمندہ ہوں گے) یعنی یہ لازم ہے کہ ان کے لئے جہنم ہو۔ اس بارے میں مکمل بحث سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ یعنی نہ وہ انہیں ثواب دیتا ہے اور نہ ان کی تعریف کرتا ہے۔ حضرت حسین بن علی سے روایت ہے کہ آپ مساکین کے پاس سے گزرے درآنحالیکہ انہوں نے اپنے سامنے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے اور وہ کھا رہے تھے تو انہوں نے کہا: اے ابا عبداللہ! کھانا کھاؤ، تو آپ اترے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا: اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ پس جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: تحقیق میں نے تمہاری دعوت قبول کی ہے پس تم میری دعوت قبول کرو، تو وہ اٹھ کر آپ کے ساتھ آپ کے گھر کی طرف چلے تو آپ نے انہیں کھانا کھلایا اور انہیں پانی پلایا اور انہیں (تحائف سے) نوازا، اور پھر وہ واپس چلے گئے، علماء نے کہا ہے: سوائے تکبر کے ہر گناہ کو چھپانا اور اسے مخفی

رہنا ممکن ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایسا فسق ہے جس کا اعلان لازم ہوتا ہے، اور یہ تمام گناہوں کی اصل ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے: ''بے شک تکبر کرنے والے قیامت کے دن چیونٹیوں کی مثل اٹھائے جائیں گے ان کے تکبر کی وجہ سے لوگ انہیں اپنے قدموں کے ساتھ روند ڈالیں گے۔'' یا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''محشر میں ان کے اجسام چھوٹے ہو جائیں گے یہاں تک کہ ان کا چھوٹا ہونا انہیں نقصان دے گا اور جہنم میں ان کے اجسام بڑے ہو جائیں گے، یہاں تک کہ ان کا بڑا ہونا انہیں نقصان اور تکلیف دے گا(1)''۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۲۴﴾

''اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے، کہتے ہیں: (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔''

قولہ تعالیٰ: وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ یعنی جب ان سے پوچھا جاتا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان لوگوں میں سے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل بعث بعد الموت کے منکر ہیں مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ کہ کیا نازل فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے؟۔ کہا گیا ہے: کہنے والا نضر بن حارث تھا، اور یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ حیرہ کی طرف نکلا اور کلیلہ ودمنہ کی کہانیاں خرید کر لایا اور وہ قریش میں پڑھتا اور کہتا تھا: محمد (ﷺ) اپنے اصحاب پر نہیں پڑھتے ہیں مگر پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے؛ یعنی یہ ہمارے رب کی طرف سے نازل کردہ کتاب نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک مومنین ہی بطور آزمائش ان کو یہ کہتے تھے تو وہ اپنے اس قول کے ساتھ جواب دیتے: اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (یہ پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں) پس انہوں نے ایک شے کے انکار کے ساتھ یہ اقرار کر لیا کہ وہ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ہیں۔ اور اَسَاطِيْرُ سے مراد جھوٹے اور باطل واقعات ہیں۔ یہ سورۃ الانعام میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ میں گفتگو اسی طرح ہے جیسے مَاذَا يُنْفِقُوْنَ میں ہے۔ اور قولہ: اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، اور تقدیر عبارت ہے: الذی انزلہ اساطیر الاولین (وہ جو اس نے اتارا ہے وہ پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔)

لِيَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

''تاکہ (اس ہرزہ سرائی کے باعث) وہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ قیامت کے دن اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں جہالت سے، کتنا برا (اور گراں) ہے یہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں''۔

قولہ تعالیٰ: لِيَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ کہا گیا ہے: یہ لام کی ہے، اور یہ اپنے ماقبل سے متعلق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ لام عاقبت ہے، جیسا کہ اس قول میں ہے: لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (القصص: 8) سنو (تاکہ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 6677

باعث رنج والم بنے) یعنی قرآن کریم اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے قول نے انہیں اس تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں۔ کَامِلَةً (مکمل بوجھ) یعنی وہ اس میں سے کوئی چیز بھی نہ چھوڑیں اس مصیبت کی وجہ سے جو انہیں دنیا میں اپنے کفر کے سبب پہنچی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ لام امر ہے، اور اس کا معنی جھڑکنا اور دھمکانا ہے۔ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ اٹھائیں گے ان لوگوں کا بوجھ بھی جنہیں انہوں نے گمراہ کیا اور جن کو گمراہ کیا گیا ہے ان کے گناہ سے کوئی شے کم نہیں ہوگی۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''جس بھی دعوت دینے والے نے گمراہی کی طرف دعوت دی اور اس کی اتباع اور پیروی کی گئی تو بلاشبہ اس پر ان کے بوجھوں کی مثل بوجھ ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی مگر ان کے بوجھوں سے کوئی شے کم نہ ہوگی، اور جس بھی دعوت دینے والے نے ہدایت کی طرف دعوت دی اور اس کی اتباع و پیروی کی گئی تو اس کے لئے ان کے اجروں کی مثل اجر ہوگا مگر ان کے اجروں میں سے کوئی شے کم نہ ہوگی۔'' اسے امام مسلم نے اسی معنی میں بیان کیا ہے۔ اور مِنْ جنس کے لئے ہے تبعیض کے لئے نہیں، پس گمراہی کی دعوت دینے والوں پر ان کے بوجھوں کی مثل ہوگا جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ اور قولہ: بِغَیْرِ عِلْمٍ یعنی وہ مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں اس سے جاہل اور غافل رکھتے ہوئے جو ان پر گناہ لازم ہو رہے ہیں، کیونکہ اگر وہ جان لیں تو یہ انہیں گمراہ نہ کر سکیں۔ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ یعنی کتنا برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اٹھا رہے ہیں۔ اور اس آیت کی نظیر یہ ہے وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13) (اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ) اور قول باری تعالیٰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام: 64) کے بیان میں سورۃ الانعام کے آخر میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

''(دعوت حق کے خلاف) مکر و فریب کیا کرتے تھے وہ لوگ جو ان منکرین سے پہلے گزرے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے (فریب) کی عمارت جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دی، پس گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے اور آ گیا ان پر عذاب جہاں سے انہیں خیال و گمان بھی نہ تھا۔''

قولہ تعالیٰ: قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی وہ اقوام جو سابقہ رسولوں کے ساتھ کفر کرنے کے سبب ان سے سبقت لے گئی ہیں (وہ دعوت حق کے خلاف مکر و فریب کیا کرتی تھیں) لیکن حسین اور خوبصورت انجام رسل علیہم السلام کا ہوا۔ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ نمرود بن کنعان اور اس کی قوم نے آسمان پر چڑھنے اور اس کے باسیوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، پس انہوں نے ایک محل بنایا تاکہ وہ اس سے اوپر چڑھ سکیں اس کے بعد کہ اس نے گدھوں کے ساتھ بنایا جو بنایا، پس وہ گر پڑا۔ اس کا بیان سورۃ ابراہیم کے آخر میں گزر چکا ہے۔

اور فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا امر عمارت تک پہنچایا تو زلزلہ کی صورت میں یا ہوا کی صورت میں اور اس نے اسے

گرا دیا۔ حضرت ابن عباس اور وہب رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے: آسمان کی طرف اس محل کی طوالت پانچ ہزار گز تھی، اور اس کا عرض تین ہزار گز تھا۔ اور حضرت کعب اور مقاتل نے بیان کیا ہے: اس کا طول دو فرسخ تھا، پس ہوا چلی اور اس نے اس کا سرا سمندر میں پھینک دیا اور باقی ان پر گر پڑی۔ اور جب وہ محل گر گیا تو اس دن خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے لوگوں کی زبانیں مخلوط ہو گئیں، گڑگڑانے لگیں پس وہ تہتر زبانوں میں کلام کرنے لگے، پس اسی وجہ سے اس کا نام بابل رکھا گیا ہے، اور اس سے قبل ان کی زبان صرف سریانی تھی۔ یہ معنی سورۃ البقرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ ابن ہرمز اور ابن محیصن نے السُّقُفُ سین اور قاف دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے سین کو ضمہ دیا ہے اور قاف کو تخفیفاً ساکن کر دیا ہے؛ جیسا کہ و بِالنَّجْم کے تحت دو وجہوں کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ سقف کی جمع ہو۔ اور القواعد سے مراد عمارت کی بنیادیں اور جڑیں ہیں۔ اور جب بنیادیں خراب ہو جائیں تو عمارت گر جاتی ہے۔ اور قولہ تعالیٰ: مِنْ فَوْقِهِمْ ابن الاعرابی نے کہا ہے: اس کے ساتھ تو کید لگائی تا کہ وہ تجھے بتائے کہ وہ اس کے نیچے رہ رہے تھے۔ اور عرب کہتے ہیں: خر علینا سقف ووقع علینا حائط (چھت یا دیوار ہم پر گر پڑی) جب وہ اس کے مالک ہوں اگرچہ وہ ان پر نہ بھی گرے۔ پس فرمایا: مِنْ فَوْقِهِمْ لائے تا کہ وہ اس شک کو نکال دے جو کلام عرب میں پایا جاتا ہے، پس فرمایا: مِنْ فَوْقِهِمْ یعنی وہ ان پر گرا اور وہ اس کے نیچے تھے پس وہ ہلاک ہو گئے اور ان میں سے کوئی بھی نہ بچا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سقف سے مراد آسمان ہے، یعنی بے شک اس آسمان کی طرف سے ان پر عذاب آیا جو ان کے اوپر ہے؟ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ یہ تمثیل ہے، اور اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا تو وہ اس کی طرح ہو گئے جس پر اس کی عمارت گر پڑی ہو۔ اور یہ قول بھی ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا پس وہ اس کی طرح ہو گئے جس کی عمارت گر پڑی ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب اور ان کی تدبیر کو باطل کر دیا اور وہ ہلاک ہو گئے جیسے وہ ہلاک ہو جاتا ہے جس پر اس کے اوپر سے چھت گر پڑے۔ اور اسی وجہ سے ان کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے جن پر چھت گری، پس حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زید رضی اللہ عنہم نے وہ کہا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بخت نصر اور اس کے ساتھی تھے؛ یہ بعض مفسرین نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد وہ بانٹنے والے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں کیا ہے؛ یہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور اس تاویل کی بنا پر تمثیل کی وجہ خارج ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ یعنی اس حیثیت سے کہ ان کا گمان تھا وہ امان میں ہیں (ان پر عذاب آ گیا) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: (عذاب) سے مراد وہ مچھر ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے نمرود کو ہلاک کر دیا۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَ السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۟ۙ

"اس کے بعد روز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل ورسوا کرے گا اور (ان سے) پوچھے گا: کہاں ہیں وہ میرے

شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے؟ کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے کہ بلاشبہ آج ہر قسم کی رسوائی اور بربادی کافروں کے لئے ہے۔''

قولہ تعالیٰ: ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کے ساتھ رسوا کرے گا اور اس کے ساتھ انہیں ذلیل کرے گا اور ان کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے گا۔ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ اور ان سے پوچھے گا: تمہارے گمان میں اور تمہارے دعوے کے مطابق جو میرے شریک ہیں وہ کہاں ہیں، یعنی وہ معبود جن کی تم میرے سوا عبادت اور پرستش کرتے ہو، اور یہ سوال برائے زجر و توبیخ ہے۔ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ یعنی جن کے سبب تم میرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عداوت رکھتے تھے اور جھگڑا کرتے تھے، پس چاہئے کہ وہ تم سے اس عذاب کو دور ہٹائیں۔ اور ابن کثیر نے شُرَكَاىَ یا کو مفتوح بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے، اور باقیوں نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت نافع نے تُشَاقُّوْنِ اضافت کی بنا پر نون کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی تعادونني فيهم (تم میرے ساتھ ان کے بارے میں جھگڑا کیا کرتے تھے) اور باقیوں نے اسے فتحہ دیا ہے۔ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: یعنی ملائکہ نے کہا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد مومنین ہیں۔ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ یعنی بلاشبہ قیامت کے دن رسوائی اور ذلت وَالسُّوْٓءَ اور عذاب، عَلَى الْكٰفِرِيْنَ کافروں کے لئے ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''وہ کافر جن کی جانیں فرشتے قبض کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنے پر ظلم کر رہے ہیں، تب وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم تو کوئی برا کام نہیں کیا کرتے تھے (اہل علم جواب دیں گے) نہیں نہیں (تم بڑے بدکار تھے) بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو (برے کام) تم کیا کرتے تھے۔''

قولہ تعالیٰ: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یہ کفار کی صفات میں سے ہے۔ اور ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے؛ ای وهم ظالمون أنفسهم یعنی درآنحالیکہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں جب انہوں نے انہیں ہلاکت کی جگہوں میں ڈال دیا۔ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ یعنی تب انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا اور موت کے وقت تابعدار بن گئے اور کہنے لگے: مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ہم تو کوئی برا کام یعنی شرک وغیرہ نہیں کیا کرتے تھے۔ پس ملائکہ انہیں کہیں گے: بَلٰٓى نہیں بلکہ تم تو بہت برے اعمال کیا کرتے تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اعمال تم کیا کرتے تھے) اور عکرمہ نے کہا ہے: یہ آیت مدینہ طیبہ میں ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ مکرمہ میں اسلام لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی، تو قریش نے انہیں بدر کی طرف بالجبر نکالا اور وہ وہاں قتل کر دیئے گئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی وہ جنہیں فرشتے ان کی ارواح قبض کر کے موت دیتے تھے۔ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وہ اپنے مقام میں مکہ مکرمہ رہنے اور ہجرت چھوڑنے کے سبب اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ فَاَلْقَوُا

السَّلَمَ یعنی انہوں نے ان کے ساتھ نکلنے میں ان کی تابعداری کی۔ اور اس میں تین وجہیں ہیں: ایک یہ ہے کہ وہ صلح ہو، یہ اخفش نے کہا ہے۔ دوسری یہ ہے کہ تابعداری اختیار کرنا، یہ قطرب نے کہا ہے۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ خضوع ہو، یہ مقاتل نے کہا ہے۔ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ یعنی کفر میں سے کوئی برا عمل ہم نہیں کیا کرتے تھے۔ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تمہارے اعمال کفار کے اعمال کی طرح ہی تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک بعض مسلمانوں نے جب مومنوں کی تعداد کو کم دیکھا تو وہ مشرکوں کی طرف لوٹ گئے۔ پس یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پہلے قول کے مطابق کوئی کافر اور منافق دنیا سے نہیں جائے گا یہاں تک کہ وہ تابعدار ہو جائے گا اور سر تسلیم خم کرلے گا، اور خضوع اختیار کرے گا اور اپنی ذلت کا اظہار کرے گا لیکن اس وقت تو یہ اور کوئی ایمان انہیں فائدہ نہیں دے گا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (غافر: 85) (پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب) یہ معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اور سورۃ الانفال میں گزر چکا ہے بے شک کفار ضرب اور ذلت و رسوائی کے ساتھ مرتے ہیں، اور اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی ہے۔ اور ہم نے اسے کتاب ''التذکرہ'' میں ذکر کیا ہے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٢٩

''(اے کفار!) پس داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں سے تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا وہاں، بے شک برا ٹھکانا ہے غرور و تکبر کرنے والوں کے لئے''۔

قولہ تعالیٰ: فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی یہ ان کی موت کے وقت کہا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ ان کے لئے عذاب قبر کے بارے بشارت اور اطلاع ہے، کیونکہ یہ کافروں کے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے: دوسرے درکہ والا اس تک نہیں پہنچے گا مگر پہلے درکہ میں داخل ہونے کے ساتھ پھر دوسرے اور پھر تیسرے میں آگے اسی طرح۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ ہر درکہ کا الگ دروازہ ہے، پس بعض ایک دروازے سے داخل ہوں گے اور بعض دوسرے دروازے سے۔ واللہ اعلم۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا یعنی وہ اس میں پڑے رہیں گے۔ فَلَبِئْسَ مَثْوَى یعنی کتنا برا مقام ہے۔ الْمُتَكَبِّرِيْنَ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ایمان لانے سے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کیا، تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے قول حق کے ساتھ ان کی وضاحت کی: اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٣٥ (الصافات) (کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں۔)

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝٣٠ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝٣١ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

''اور (یونہی) پوچھا گیا ان سے جو متقی تھے کہ وہ کیا ہے جو اتارا تمہارے رب نے؟ انہوں نے کہا: (سراپا) خیر! جنہوں نے اچھے کام کئے اس دنیا میں بھی ان کے لئے بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لئے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے پرہیزگاروں کا گھر۔ (ان کے لئے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں ان کے لئے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے، یوں بدلہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو، وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں: (اے نیک بختو!) سلامتی ہو تم پر، داخل ہو جاؤ جنت میں ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔''

قولہ تعالیٰ: وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوْا خَيْرًا یعنی انہوں نے کہا: سراپا خیر نازل کیا اور کلام مکمل ہو گئی۔ اور مَاذَآ اس بنا پر واحد اسم ہے۔ عرب سے کوئی آدمی ایام حج میں مکہ مکرمہ آتا تھا اور مشرکوں سے حضور نبی رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتا تو وہ کہتے: ساحر ہے یا شاعر ہے یا کاہن ہے یا مجنون ہے۔ اور وہ مومنوں سے پوچھتا تو وہ کہتے: اللہ تعالیٰ نے ان پر خیر اور ہدایت نازل کی ہے، اور اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک قیامت کے دن یہ اہل ایمان کو کہا جائے گا۔ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: پس اگر کہا جائے: اس قول باری تعالیٰ: اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ میں جواب مرفوع اور اس قول: خَيْرًا میں منصوب کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین تنزیل قرآن کے ساتھ ایمان نہیں لائے، تو گویا انہوں نے کہا: وہ جو کچھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں وہ پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔ اور مومنین نزول کے ساتھ ایمان لائے پس انہوں نے کہا: اس نے سراپا خیر نازل کیا (1)۔ اور اعراب کے اعتبار سے اس کے معنی کا یہی مفہوم ہے، والحمد للہ۔

قولہ تعالیٰ: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ کہا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ من جملہ ان لوگوں کے کلام سے ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور یہاں حَسَنَةٌ سے مراد جنت ہے، یعنی جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تو اس کے لئے کل (قیامت کے دن) جنت ہوگی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا یعنی ان کے لئے آج دنیا میں نصرت و فتح اور غنیمت جیسی بھلائی ہے۔ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ یعنی آخرت میں جو وہ جنت کا ثواب پائیں گے وہ دار دنیا سے بہتر اور اعظم ہوگا، دنیا کے فناء ہونے کی وجہ سے اور آخرت کے باقی رہنے کی وجہ سے۔ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ اس میں دو وجہیں ہیں: حسن نے کہا ہے: اس کا معنی ہے اور پرہیزگاروں کا بہت اچھا اور عمدہ گھر دنیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس میں عمل کر کے آخرت کا ثواب کمایا اور وہ جنت میں داخل ہوئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اور پرہیزگاروں کا بہت ہی عمدہ گھر آخرت ہے؛ اور یہی جمہور کا قول ہے۔ اور اس بنا پر جَنّٰتُ عَدْنٍ الدار سے بدل ہوگا، پس اسی وجہ سے یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 210، زیر آیت ہذہ

مرفوع ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ اس تقدیر پر مرفوع ہے ھی جنات عدن پس یہ قول باری تعالیٰ: دَارُ الْمُتَّقِيْنَ کے لئے بیان ہوگا۔ یا یہ مبتدا ہونے کے سبب مرفوع ہوگا، اور تقدیر عبارت ہوگی: جَنّٰتُ عَدْنٍ نِعْمَ دَارُ الْمتقین۔ يَدْخُلُوْنَهَا یہ صفت کے محل میں ہے، بمعنی مدخولة (جس میں داخل ہوا جائے) اور یہ بھی کہا گیا ہے: جَنّٰتُ مبتدا ہونے کے سبب مرفوع ہے اور اس کی خبر يَدْخُلُوْنَهَا ہے اور اسی بنا پر حسن کا قول بیان کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اس کا معنی سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ یعنی ان کے لئے اس میں ہر وہ شے ہوگی جس کی وہ تمنا اور خواہش کریں گے۔ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ یعنی اسی قسم کی جزا اللہ تعالیٰ متقین کو عطا فرماتا ہے۔ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ اعمش اور حمزہ نے دونوں مقامات پر یا کے ساتھ يَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ پڑھا ہے، اور اسے ہی ابوعبید نے اختیار کیا ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: بے شک قریش کا گمان ہے کہ ملائکہ مونث ہیں پس تم انہیں مذکر ذکر کرو۔ اور باقیوں نے تا کے ساتھ قرأت کی ہے، کیونکہ اس سے مراد ملائکہ کی جماعت ہے۔ اور طَيِّبِيْنَ میں چھ اقوال ہیں: (۱) طَيِّبِيْنَ درآنحالیکہ وہ شرک سے پاک ہیں۔ (۲) وہ صالحین ہیں۔ (۳) وہ اپنے افعال اور اپنے اقوال کا تزکیہ کرنے والے ہیں، انہیں پاک کرنے والے ہیں۔ (۴) اپنے آپ کو خوش کرنے والے ہیں اس پر اعتماد اور یقین کرتے ہوئے جو وہ اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب حاصل کر رہے ہیں۔ (۵) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ اپنے نفوس کو پاک کرنے والے ہیں۔ (۶) طَيِّبِيْنَ خوش ہو رہے ہیں کہ ان کی وفات اچھی اور آسان ہوئی اس میں کوئی مشکل اور دکھ درد نہیں، بخلاف اس کے کہ جب فرشتے کسی کافر اور اوباش کی روح قبض کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یہ دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سلام ان کے لئے وفات کے بارے میں ڈراوا ہو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ان کے لئے جنت کی بشارت ہو، کیونکہ سلام امان ہے۔ اور ابن المبارک نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا: مجھے حیوہ نے بیان کیا انہوں نے کہا مجھے ابوصخر نے محمد بن کعب قرظی سے خبر دی کہ انہوں نے بیان کیا: جب بندہ مومن کی سانس (مراد روح ہے) جمع ہو جاتی ہے تو حضرت ملک الموت علیہ السلام اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: السلام علیك ولی الله، الله یقرأ علیك السلام (تجھ پر سلام ہو اے اللہ تعالیٰ کے دوست، اللہ تجھ پر سلام فرما رہا ہے، پھر وہ اس آیت کے ساتھ نکالتا ہے الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ (1) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں اور وہ بندہ مومن کی روح قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں: تیرا رب تجھے سلام فرماتا ہے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: بے شک بندۂ مومن اپنے بعد اپنی اولاد کی اصلاح سے خوش ہوتا ہے۔ اور اس کی آنکھ اس سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اور ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے۔ اور وہاں ہم نے اس بارے میں آنے والی احادیث بھی ذکر کی ہیں، والحمد للہ۔ اور قول باری تعالیٰ: ادْخُلُوا الْجَنَّةَ دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے: ان میں سے ایک یہ ہے: اس کا معنی ہو تمہیں جنت میں داخل ہونے کی بشارت ہو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ انہیں یہ آخرت میں کہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 123

گے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی ان نیک اعمال کے باعث جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳

''یہ مشرک کس کے منتظر ہیں بجز اس کے کہ آجائیں ان کے پاس (عذاب کے) فرشتے یا آجائے آپ کے رب کا (اٹل) حکم، یونہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے پیشرو تھے، اور نہیں زیادتی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ نے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کیا کرتے تھے۔''

قولہ تعالیٰ: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اس میں ضمیر کفار کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی کفار انتظار نہیں کر رہے ہیں مگر یہ کہ ملائکہ ان کی ارواح قبض کرنے کے لئے ان کے پاس آئیں درآنحالیکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اعمش، ابن وثاب، حمزہ اور کسائی اور خلف نے یاتیھم الملائکۃ یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے تا کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ یعنی یا تیرے رب کا اٹل حکم عذاب کے بارے میں آجائے چاہے وہ قتل کی صورت میں ہو جیسا کہ یوم بدر کو ہوا یا دنیا میں زلزلہ اور خسف (دھنسا دینا) ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ اور وہ لوگ ان چیزوں کے منتظر اس لئے نہیں کہ وہ ان کے ساتھ ایمان نہیں لائے، بلکہ ایمان سے ان کے انکار نے ان پر عذاب واجب کر دیا، پس اس کی نسبت ان کی طرف کی گئی، یعنی ان کا انجام عذاب ہے۔ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی وہ کفر پر مصر رہے تو اللہ تعالیٰ کا اٹل حکم ان پر آگیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دے کر اور انہیں ہلاک کر کے ان پر کوئی زیادتی اور ظلم نہیں کیا، بلکہ شرک کر کے انہوں نے خود اپنے پر ظلم کیا ہے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴

''پس ملی انہیں سزا ان کے برے اعمال کی اور گھیر لیا انہیں اس عذاب نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

قولہ تعالیٰ: فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا کہا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے؛ تقدیر عبارت ہے: کذالك فعل الذین من قبلھم فاصابھم سیئات ما عملوا (اسی طرح انہوں نے کہا جو ان سے پہلے ہوئے ہیں پس انہیں ان کے برے اعمال کی سزا ملی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ خود اپنے آپ سے زیادتی کر رہے ہیں۔ پس انہیں ان کے کفر کی سزا اور ان کے خبیث اعمال کا بدلہ ملا ہے۔ وَ حَاقَ بِهِمْ یعنی ان کا احاطہ کر لیا اور انہیں گھیر لیا مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ یعنی ان کے استہزا کی سزا نے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۳۵

''اور کہنے لگے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہ اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ہم عبادت نہ کرتے اس کے سوا کسی اور چیز کی نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو، ایسی ہی (بے سروپا) باتیں کیا کرتے تھے ان کے پیشرو۔ (اے سننے والے!) کیا رسولوں کے ذمہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ وہ صاف طور پر (حکم الٰہی) پہنچا دیں۔''

قولہ تعالیٰ: وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ای شیئا (یعنی مشرکوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی شے کی عبادت نہ کرتے) اور اس میں من صلہ ہے۔ زجاج نے کہا ہے: انہوں نے یہ قول استہزاء کیا، اور اگر وہ یہ قول اعتقاد اور یقین کے ساتھ کہتے تو وہ مومن ہوتے۔ اس کا معنی اور ترکیب مفصل طور پر سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے بہذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی اسی تکذیب اور استہزا کی مثل انہوں نے بھی رسولوں سے کیا جو ان سے پہلے تھے پس وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ یعنی رسل علیہم الصلوات والتسلیمات پر سوائے تبلیغ (حکم الٰہی پہنچانے) کے اور کچھ نہیں، اور رہی ہدایت تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی، پس سیر و سیاحت کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کس قدر عبرت ناک تھا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا۔''

قولہ تعالیٰ: وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (تحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (یہ تعلیم دینے کے لئے) کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو) اور اسے واحد و یکتا مانو۔ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کو چھوڑ دو جیسا کہ شیطان، کاہن، بت اور ہر وہ جو گمراہی کی طرف دعوت دے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ یعنی ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنی عبادت کی طرف ہدایت دی، راہنمائی فرمائی۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کے بارے پہلے (گمراہی کا) فیصلہ ہو چکا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے کفر پر ہی مرے۔ اور اس سے قدریہ کا رد ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ہدایت دی ہے اور انہیں ہدایت کی توفیق دی ہے، اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ اور یہ بحث کئی مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی تم زمین میں غور و فکر کرتے ہوئے (اور عبرت حاصل کرتے ہوئے) سیر و سیاحت کرو۔ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (اور اپنی آنکھوں سے دیکھو ان جھٹلانے والوں کے معاملے کا انجام

کیسے ہوا (یعنی) ان کی بربادی، عذاب اور ہلاکت کی طرف دیکھو۔)

اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰىهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝

”(اے حبیب!) آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں ان کے لئے کوئی مدد کرنے والا“

قولہ تعالیٰ: اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰىهُمۡ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اپنی جدوجہد اور کوشش کے ساتھ ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی خواہش اور طلب کریں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ تو بے شک اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے وہ گمراہ کر دے، یعنی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے گمراہی کا فیصلہ ہو چکا ہو وہ اسے ہدایت نہیں دیتا۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کی قرأت ہے۔ پس يَهۡدِىۡ فعل مستقبل ہے اور اس کا ماضی هَدٰی ہے۔ اور مَنۡ، يَهۡدِىۡ کے سبب محل نصب میں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ھدی یھدی بمعنی اھتدی یھتدی ہو، اسے ابو عبید نے فراء سے روایت کیا ہے اس نے کہا: جیسا کہ اَمَّنۡ لَّا يَهِدِّىۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّهۡدٰى (یونس:35) بمعنی یھتدی قرأت کی گئی ہے۔ ابو عبید نے کہا ہے: ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے فراء کے بغیر اسے روایت کیا ہو، اور وہ اس بارے میں متہم نہیں ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں۔ نحاس نے کہا ہے: محمد بن یزید سے مجھے بیان کیا گیا ہے گویا لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ کا معنی ہے جس کے بارے اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم ہوا اور اس کے نزدیک پہلے اس کا فیصلہ ہو چکا ہو، فرمایا: يَهۡدِىۡ بمعنی یھتدی نہیں ہو سکتا مگر تبھی جب وہ يُهۡدٰى یا يَهِدِّىۡ ہو۔ اور فراء کے قول کے مطابق يَهۡدِىۡ بمعنی یھتدی ہے، پس مَنۡ محل رفع میں ہوگا اور مَنۡ کی طرف لوٹنے والی ھا ضمیر صلہ میں محذوف ہوگی، اور ان کے اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر يُّضِلُّ میں پوشیدہ ہے۔ اور باقیوں نے لا يُهۡدٰى یا کے ضمہ اور دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور اسے ابو عبید اور ابو حاتم نے اختیار کیا ہے، اس معنی کی بنا پر کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے کوئی ہدایت دینے والا اسے ہدایت نہیں دے سکتا، من اضلہ اللہ لم یھدہ ھاد اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ (الاعراف:186) (جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے) اور مَنۡ اس بنا پر محل رفع میں ہے کہ وہ اسم مالم يُسَمَّ فاعلہ ہے، اور یہ بمعنی الذی ہے، اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر اس کے صلہ سے محذوف ہے، اور فَاِنَّ اللّٰهَ میں اِنَّ کے اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر يُّضِلُّ میں پوشیدہ ہے۔ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ۙ لَا يَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ يَّمُوۡتُ ؕ بَلٰى وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝

”اور بڑی شدومد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو (ایک بار) مر جاتا ہے، ہاں ضرور زندہ کرے گا یہ اس کا وعدہ ہے اس پر لازم ہے اس کو پورا کرنا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“

قولہ تعالیٰ: وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ یہ ان کی کارکردگی پر اظہار تعجب ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں

کھاتے ہیں اور انہیں پختہ کرنے میں خوب مبالغہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جو ایک بار مر جاتا ہے۔ اور اظہار تعجب کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن پھر اسے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز قرار دیتے ہیں۔ اور ابو العالیہ نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی کا ایک مشرک پر قرض تھا پس اس نے اس کا تقاضا کیا(1)، اور اس کے کلام میں یہ ہے: والذی أرجوہ بعد الموت انہ لکذا (وہ جس کی میں موت کے بعد امید رکھتا ہوں بے شک وہ اس طرح ہے) تو مشرک نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جو ایک بار مر جاتا ہے، پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضرت قتادہ نے کہا ہے: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک آدمی نے کہا: اے ابن عباس! رضی اللہ عنہما، بے شک بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موت کے بعد قیامت سے پہلے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور وہ اس آیت کی تاویل بیان کرتے ہیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہوں نے جھوٹ کہا ہے! بلاشبہ یہ آیت تمام لوگوں کے لئے عام ہے، اگر قیامت سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوبارہ زندہ کیا جانا ہوتا تو ہم ان کی بیویوں سے نکاح نہ کرتے اور نہ ان کی میراث تقسیم کرتے(2)۔

بَلٰی یہ ان کا رد ہے؛ یعنی نہیں بلکہ وہ ضرور انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا یہ مصدر مؤکد ہے، کیونکہ اس کا قول: یبعثہم وعدہ پر دلالت کرتا ہے، یعنی اس نے دوبارہ زندہ کرنے کا سچا اور پختہ وعدہ فرما رکھا ہے۔ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اور بخاری میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم نے میری تکذیب کی ہے حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہیں۔ اور اس نے مجھے سب وشتم کیا ہے حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہیں، پس اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ اس نے یہ کہا: وہ ہرگز مجھے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، جیسے پہلی بار اس نے مجھے پیدا کیا۔ اور رہا اس کا مجھے سب وشتم کرنا تو یہ اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (فلاں کو) بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں واحد و یکتا ہوں بے نیاز ہوں اور نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے(3)''۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور آگے بھی آئے گا۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝۳۹

''(وہ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا) تاکہ واضح کردے ان پر وہ بات جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے تاکہ خوب جان لیں کافر کہ بلاشبہ وہی جھوٹے تھے۔''

قولہ تعالیٰ: لِيُبَيِّنَ لَهُمُ تاکہ وہ ان کے لئے ظاہر کردے، واضح کردے۔ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ دوبارہ زندہ کئے جانے کا معاملہ جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا تاکہ خوب جان لیں وہ جنہوں نے دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کیا اور اس پر قسمیں کھائیں۔ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ کہ بلاشبہ وہی جھوٹے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 127 2۔ ایضاً، جلد 14-13، صفحہ 126

3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ وقال اتخذ اللہ، جلد 2، صفحہ 644

معنی ہے تحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا تا کہ وہ ان کے لئے اس بات کی وضاحت کرے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اور وہ جس میں مشرکوں اور مسلمانوں نے اختلاف کیا ہے وہ کئی امور ہیں: ان میں سے دوبارہ زندہ کرنا ہے، بتوں کی عبادت کرنا ہے، اور ان میں سے ایک قوم کا اس بارے اقرار کرنا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں لیکن آپ کی اتباع سے تقلید نے انہیں منع کیا ہے جیسا کہ حضرت ابو طالب۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۠ ﴿۴۰﴾

''ہمارا فرمان کسی چیز کے لئے جب ہم ارادہ کرتے ہیں (اس کے پیدا کرنے کا) صرف اتنا ہے کہ ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ اس پر پیدا کرنا کتنا آسان ہے، یعنی جب ہم ارادہ کریں گے کہ اسے ہم دوبارہ زندہ کریں جو ایک بار مر چکا ہے تو وہ ہم پر مشکل نہیں ہوگا اور نہ انہیں زندہ کرنے میں کوئی دقت ہوگی، اور علاوہ ازیں بھی جو کام ہم کرتے ہیں ان میں کوئی مشکل اور دقت نہیں، کیونکہ ہم اس کو کہتے ہیں تو ہوجا وہ ہوجاتا ہے۔ ابن عامر اور کسائی کی قرأت فَیَكُوْنَ ہے اور یہ اَنْ نَّقُوْلَ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور زجاج نے کہا ہے: یہ بھی جائز ہے کہ وہ كُنْ کا جواب ہونے کی بنا پر منصوب ہو۔ اور باقیوں نے اسے مرفوع پڑھا ہے اس لئے کہ معنی یہ ہے فھو یکون (پس وہ ہوجاتا ہے) اور اس بارے میں مکمل بحث سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ اور ابن الانباری نے کہا ہے: لفظ شے کو ہر اس پر واقع کیا گیا ہے جو اپنی خلقت سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس معلوم ہو کیونکہ یہ اس کے قائم مقام ہے جو پائی گئی اور اس کا مشاہدہ کر لیا گیا۔ اور آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ قرآن کریم غیر مخلوق ہے، کیونکہ اگر اس کا قول: كُنْ مخلوق ہو تو پھر وہ ایک دوسرے قول کا محتاج ہے، اور دوسرا تیسرے کا محتاج ہوگا اور پھر اسی طرح تسلسل جاری رہے گا اور یہ محال ہے۔ اور اس پر دلیل موجود ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جملہ واقعات وحوادث کا ارادہ فرماتا ہے چاہے ان میں خیر ہو یا شر، وہ نفع بخش ہوں یا ضرر رساں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جو کوئی اپنی سلطنت میں ایسی چیز دیکھتا ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور وہ اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا تو اس کی دو میں سے ایک وجہ ہے: یا تو وہ اس کے جاہل اور ناواقف ہونے کی وجہ سے ہے وہ اسے جانتا ہی نہیں، اور یا پھر اس وجہ سے کہ وہ مغلوب ہے اور اس کی طاقت نہیں رکھتا، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وصف میں ان میں سے کوئی شی بھی جائز نہیں ہے، تو پھر اس پر دلیل قائم ہوگئی کہ وہی بندوں کی کمائی کا خالق ہے، اور یہ محال ہے کہ وہ کوئی کام کرنے والا ہو اور اس کا ارادہ فرمانے والا نہ ہو، کیونکہ ہمارے اکثر افعال ہمارے مقصود اور ارادہ کے خلاف حاصل ہوتے ہیں، پس اگر حق سبحانہ وتعالیٰ بھی ارادہ کرنے والا نہ ہو تو یقیناً اس کے بھی وہ افعال بغیر قصد و ارادہ کے حاصل ہوں) اور یہ طبیعیین کا قول ہے، اور موحدوں کا اس کے خلاف اور اس کے فاسد ہونے پر اجماع ہے۔

وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً١ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ١ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَۙ ﴿۴۱﴾

''اور جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر (طرح طرح کے) ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو

دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش! یہ جان لیتے۔"

قولہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ہجرت کا معنی سورۃ النساء میں گزر چکا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یا اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنے وطن، اہل خانہ اور قرابتداروں کو چھوڑنا ہے، اور برائیوں اور گناہوں کو ترک کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فِي بمعنی لام ہے یعنی هاجروا لله۔ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا یعنی اس کے بعد کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں طرح طرح کا عذاب دیا گیا۔ یہ آیت حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اہل مکہ نے انہیں اذیتیں دیں حتیٰ کہ انہوں نے ان کو وہ کہا جس کا انہوں نے ارادہ کیا، پس جب انہوں نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما ہو گئے، یہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے (1)۔ اور حضرت قتادہ نے کہا ہے: مراد حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، مشرکوں نے مکہ مکرمہ میں ان پر ظلم کیا اور انہیں وہاں سے نکال دیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک گروہ حبشہ چلا گیا، پھر اللہ کریم نے ان کے لئے دارالھجرۃ (مدینہ طیبہ) کو ٹھکانا اور قیام گاہ بنا دیا اور ان کے لئے اور مومنین کو انصار اور معاون و مددگار بنا دیا (2)۔ اور یہ آیت ان تمام کو شامل ہے۔ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً حسنہ کے بارے میں چھ اقوال ہیں: (۱) مدینہ طیبہ میں اترنا، یعنی ہم انہیں دنیا میں بہتر ٹھکانا دیں گے یعنی مدینہ طیبہ میں اتار دیں گے۔ یہ قول حضرت ابن عباس، حسن، شعبی اور قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے۔ (۲) مراد رزق حسن ہے (3)، یہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ (۳) ان کے دشمنوں کے خلاف مدد و نصرت کرنا، یہ ضحاک نے کہا ہے۔ (۴) بے شک یہ سچ کی زبان ہے، اسے ابن جریج نے بیان کیا ہے۔ (۵) جو انہوں نے علاقے فتح کر کے ان پر غلبہ حاصل کیا۔ اور ان میں ان کی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ (۶) جو ان کے لئے دنیا میں ثناء و تعریف باقی رہی، اور ان کی اولاد کو اعزاز و شرف حاصل ہوا۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے لئے جمع ہوا ہے۔ والحمد لله۔ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ یعنی دار آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، یعنی وہ اس سے عظیم اور بڑا ہے کہ کوئی اس کا مشاہدہ کرنے سے پہلے اسے جان سکے؛ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا (الانسان) (اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی) لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ یعنی کاش یہ ظلم کرنے والے اسے جان لیتے۔ کہا گیا ہے: یہ ضمیر مومنین کی طرف راجع ہے، یعنی اگر وہ آخرت کا ثواب دیکھ لیتے اور اس کا معائنہ کر لیتے تو یقیناً وہ جان لیتے کہ وہ دنیا کے اجر سے بہت بڑا ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب مہاجرین کو عطیات دیتے تھے تو فرماتے: یہ وہ ہے جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے اور جو تمہارے لئے آخرت میں ذخیرہ کیا ہے وہ اس سے زیادہ ہے، پھر آپ ان پر یہ آیت تلاوت کرتے (4)۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 129
2۔ ایضاً، جلد 14-13، صفحہ 128
3۔ ایضاً، جلد 14-13، صفحہ 129
4۔ تفسیر ماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 189

''جنہوں نے (مصائب میں) صبر کیا اور (مشکلات میں اب بھی) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

کہا گیا ہے: الَّذِیْنَ یہ پہلے الَّذِیْنَ سے بدل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ کی ضمیر سے بدل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین پر صبر کیا، اس پر ڈٹے رہے وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ وہ اپنے جملہ امور میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور بعض اہل تحقیق نے کہا ہے: مخلوق میں سے بہترین اور اعلیٰ وہ ہے جسے جب کوئی امر پیش آ جائے تو وہ صبر کرے، اور جب وہ کسی کام سے عاجز ہو تو وہ توکل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں کو ہم وحی بھیجتے ہیں ان کی طرف، پس دریافت کر لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔ (پہلے رسولوں کو بھی ہم نے) روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ذکر تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

قولہ تعالیٰ: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ قراۃ العامہ یُوْحٰی یعنی یا کے ساتھ اور حا کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور حفص نے حضرت عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ نون عظمت اور حا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جس وقت انہوں نے حضور نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ اس سے عظیم تر ہے کہ اس کا رسول بشر (انسان) ہو پس اس نے ہماری طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ساتھ ان کا جواب دیا: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ سے پہلے بھی امم ماضیہ کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے مگر آدمی (یعنی مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے۔) فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ حضرت سفیان نے کہا ہے: یعنی تم ان سے پوچھ لو جو اہل کتاب میں سے مومن ہیں، اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم خود نہیں جانتے تو وہ تمہیں خبر دیں گے کہ تمام انبیاء علیہم السلام بشر (انسان) تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے پس تم اہل کتاب سے دریافت کر لو سو اگرچہ وہ ایمان نہیں لائے لیکن وہ یہ اعتراف کریں گے کہ رسل علیہم السلام بشر تھے۔

اس کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اہل ذکر سے مراد اہل قرآن ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اہل علم ہیں، اور یہ دونوں قریب المعنی ہیں۔ بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ کہا گیا ہے: بِالْبَیِّنٰتِ، ارسلنا کے متعلق ہے۔ اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ ای ما ارسلنا من قبلک بالبینات و الزبر الا رجالا ..... ای غیر رجال (یعنی ہم نے آپ سے پہلے واضح نشانیاں اور کتابیں سوائے مردوں کے نہیں بھیجیں) پس اس

میں إِلَّا بمعنی غیرہ ہے، جیسا کہ اس قول میں ہے: لا الہ الا اللہ ای غیر اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) اور یہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے .... ہم ان کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کلام میں حذف ہے اور اس پر اَرْسَلْنَا دلالت کرتا ہے۔ ای أرسلناھم بالبیّنات والزبر (یعنی ہم نے انہیں واضح نشانیوں کے ساتھ اور کتابوں کے ساتھ بھیجا)۔ اس قول کی بنا پر بِالْبَيِّنٰتِ کا پہلے ارسلنا کے ساتھ تعلق نہیں ہوگا کیونکہ اِلَّا کا ماقبل اس کے مابعد میں عمل نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس کا تعلق ارسلنا مقدرہ کے ساتھ ہوگا، یعنی أرسلناھم بالبیّنَاتِ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تعلمون کا مفعول ہے اور باز ائدہ ہے، یا اسے أعنِی کو مضمر مان کر نصب دی گئی ہے۔

جیسا کہ اعشی نے کہا ہے:

ولیس مُجیراً ان أتی الحیَّ خائف ولا قائلا الا ھو المتعیَّبا (1)

ای اعنی اَلْمُتَعَیَّبَ (یعنی اعنی فعل کے سبب یہ منصوب ہے۔) اور البیّنات کا معنی دلائل و براہین ہیں۔ اور الزبر سے مراد کتب ہیں (2)۔ اس کا ذکر آل عمران میں ہو چکا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ ذکر سے مراد قرآن حکیم ہے۔ (اور ہم نے آپ کی طرف قرآن کریم نازل کیا) لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ تاکہ آپ اپنے قول و فعل سے لوگوں کو کھول کر بیان کریں اس کتاب میں موجود احکام اور وعدہ وعید جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی مراد اور مفہوم کو کھول کر بیان کرنے والے اور وضاحت کرنے والے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مجمل ذکر کیا ہے مثلاً نماز اور زکوٰۃ کے احکام اور علاوہ ازیں وہ چیزیں جنہیں مفصل ذکر نہیں کیا۔ یہ مکمل بحث مقدمۃ الکتاب میں گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۷﴾

''کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے برے مکر کئے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں یا آجائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو۔ یا پکڑ لے انہیں جب وہ (اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے۔ یا پکڑ لے انہیں جب کہ وہ خوفزدہ ہو چکے ہوں، پس بے شک تمہارا رب بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

قولہ تعالیٰ: اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ ای بالسیّات (کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے برائی اور گناہوں کے ساتھ مکر و فریب کئے، یہ ان مشرکوں کے لئے وعید ہے جنہوں نے اسلام کو باطل قرار دینے اور اسے مٹانے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 132
2۔ ایضاً، جلد 14-13، صفحہ 133

کے حیلے اور کوششیں کیں۔ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ (کہ مبادا اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں گاڑ دے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جیسا کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا، کہا جاتا ہے: خَسَفَ المکانُ یَخْسِفُ خُسُوفًا مکان زمین میں چلا گیا، دھنس گیا۔ اور خسف اللہ بہ الأرض خسوفا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں غیب کر دیا، اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (القصص: 81) (پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں) اور خَسَفَ ھو فی الارض (وہ خود زمین میں دھنس گیا) اور خُسِفَ بِهٖ (اسے دھنسا دیا گیا) اور استفہام بمعنی انکار ہے یعنی واجب ہے کہ وہ سزا سے پر امن (اور نڈر) نہ ہوں جو انہیں لاحق ہوگی جیسا کہ وہ جھٹلانے والوں کو لاحق ہوئی۔ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ جیسا کہ قوم لوط وغیرہ کے ساتھ کیا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مراد یوم بدر ہے، کیونکہ وہ اس دن ہلاک کر دیئے گئے، اور اس سے کوئی شے ان کے حساب میں نہ تھی۔ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ یا وہ دوڑ دھوپ کر رہے ہوں اپنے سفروں میں اور اپنے کام کاج میں؛ یہ حضرت قتادہ نے کہا ہے۔ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ یعنی نہ وہ اللہ تعالیٰ سے آگے نکل جانے والے ہیں اور اس سے فوت اور گم ہونے والے ہیں (یعنی وہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں) اور یہ بھی کہا گیا ہے: فِیْ تَقَلُّبِهِمْ یا وہ انہیں پکڑ لے اس حال میں کہ وہ ابھی اپنے بستروں پر ہوں جہاں بھی ہوں۔ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: رات اور دن کے وقت۔ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم وغیرہ نے کہا ہے: یا وہ انہیں پکڑ لے ان کے مالوں، مویشیوں اور ان کی کھیتیوں میں کمی کرتے ہوئے۔ اور اسی طرح ابن الاعرابی نے بھی کہا ہے، یعنی بتدریج مالوں، جانوں، اور پھلوں میں نقصان اور کمی کرتے ہوئے یہاں تک کہ وہ ان تمام کو ہلاک کر دے۔ اور ضحاک نے کہا ہے: یہ خوف سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: وہ ایک گروہ کو پکڑ لے اور دوسرے کو چھوڑ دے، پس باقی رہنے والے ڈر جائیں گے کہ ان پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل ہوگا جیسا ان کے ساتھیوں پر نازل ہوا ہے۔ اور حسن نے کہا ہے: عَلٰی تَخَوُّفٍ کہ وہ ایک بستی والوں کو پکڑ لے تا کہ دوسری بستی والے ڈر جائیں، یہ معنی بعینہ اس قول کے معنی کی مثل ہے جو پہلے گزرا ہے، اور یہ دونوں پہلے معنی کی طرف راجع ہیں کہ التخوف کا معنی التنقص (آہستہ آہستہ کم کرنا) ہے، تَخَوَّفَهٗ تَنَقَّصَهٗ (اس نے اسے نقصان پہنچایا)، اور تخوفه الدهر و تخونه (یعنی فاء اور نون کے ساتھ) دونوں ایک ہی معنی میں ہیں (زمانے نے اسے خوفزدہ کر دیا، نقصان پہنچایا) کہا جاتا ہے: تخوننی فلان حقی جب وہ تیرا نقصان کر دے (یعنی فلاں نے میرا حق مار لیا)۔

جیسا کہ ذوالرمہ نے کہا ہے:

لا، بل ھو الشوقُ من دارٍ تخوّنها مرًّا سحابٌ و مرًّا بارحٌ تَرِبُ

اور لبید نے کہا ہے:

تخوّنها نزولی و ارتحالی

یعنی اس کا گوشت اور اس کی چربی کم ہوگئی۔ اور ہیثم بن عدی نے کہا ہے: التخوف (فا کے ساتھ ہو) اس کا معنی التنقص

(کم کرنا) ہے۔ یہ ازدشنوۃ کی لغت ہے۔ اور شاعر کا شعر ہے

تخوّف غدرهم مالی وأهدی سلاسلَ فی الحلوق لها صليل (1)

اور حضرت سعید بن مسیب نے بیان کیا ہے: اس اثنا میں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے۔ فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں کیا کہتے ہو: اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ؟ تو لوگ خاموش رہے، تو بنی ہذیل کے ایک شیخ نے کہا: اے امیر المومنین! یہ ہماری لغت ہے۔ التخوف بمعنی التنقص ہے، پھر ایک آدمی نکلا اور اس نے کہا: اے فلاں! تیرا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: تخوفته، ای تنقصته (میں نے اسے کم کر دیا ہے) پس وہ لوٹ کر گیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا عرب اپنے اشعار میں اسے جانتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ ہمارے شاعر ابو کبیر ہذلی نے ناقہ کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے سفر اونٹنی کی کوہان کے لمبا ہونے اور گوشت کے جمع ہونے کے بعد اس کو کم کر دیتا ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

تخوّفَ الرحلُ منها تامِكاً قرِدًا كما تخوّفَ عُودَ النَّبعَة السَّفَنُ (2)

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر لازم ہے کہ تم زمانہ جاہلیت کی شاعری پر مبنی دیوان پڑھو کیونکہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی موجود ہیں۔ تَمَكَ السنام يَتْمِكُ تَمَكًا یعنی کوہان لمبی ہوگئی اور اٹھ گئی، فهو تامك اور السَّفَنُ والمسفن وہ آلہ جس کے ساتھ لکڑی کو چھیلا جاتا اور ہموار کیا جاتا ہے (رندا)۔ اور لیث بن سعد نے کہا ہے: عَلٰى تَخَوُّفٍ یا وہ انہیں پکڑ لے جلدی میں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان گناہوں پر ڈانٹتے ہوئے جو انہوں نے آگے بھیجے، اور یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت قتادہ نے کہا ہے: عَلٰى تَخَوُّفٍ کہ وہ انہیں سزا دے یا درگزر کر لے۔ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی وہ جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

”کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اس حال میں کہ وہ اظہار عجز کر رہے ہیں۔“

حمزہ، کسائی، خلف، یحییٰ اور اعمش نے تَرَوْا تا کے ساتھ پڑھا ہے، اس بنا پر کہ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ اور باقیوں نے یا کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ کے بارے خبر ہے اور یہی مختار ہے۔ مِنْ شَيْءٍ یعنی ایسے کھڑے جسم کی طرف جس کا سایہ ہے چاہے وہ درخت ہو یا پہاڑ، (کیا انہوں نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔) یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے، اگرچہ تمام کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کا حکم سننے والی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والی ہیں۔ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ ابو

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 136
2۔ ایضاً، جلد 14-13، صفحہ 135

عمرو اور یعقوب وغیرہ نے اِسے تا کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ ظلال مونث ہے۔ اور باقیوں نے یا کے ساتھ پڑھا ہے، اور اسے ابو عبیدہ نے اختیار کیا ہے، یعنی وہ (سایہ) جھکتا ہے، مائل ہوتا ہے ایک جانب سے دوسری جانب کی طرف، اور وہ دن کے اوّل حصہ میں ایک حال پر ہوتا ہے اور وہ سکڑ جاتا ہے پھر دن کے آخر میں دوسری حالت پر لوٹ آتا ہے، پس ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف اس کا گھومنا اور اس کا مائل ہونا ہی اس کا سجدہ کرنا ہے اور اسی معنی میں شام کے وقت سائے کو فَیْءٌ کہا گیا ہے، کیونکہ وہ مغرب سے مشرق کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور الفیٔ کا معنی الرجوع (لوٹنا) ہے؛ اور اسی سے حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات: 9) (یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔) ہے۔ اس قول کا معنی حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما سے مروی ہے اور یہ معنی سورۃ الرعد میں گزر چکا ہے۔ اور زجاج نے کہا ہے: مراد جسم کا سجدہ کرنا ہے، اور اس کا سجود اس کا اطاعت و تابعداری کرنا ہے اور وہ جو اس میں کام کا اثر دکھائی دیتا ہے، اور یہ ہر جسم میں عام ہے۔ اور وَهُمْ دٰخِرُوْنَ کا معنی ہے اور وہ خضوع کر رہے ہیں، اپنی عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں۔ الدخور کا معنی الصغار والذل (چھوٹا ہونے اور پست ہونے کا اظہار کرنا) ہے۔ کہا جاتا ہے: دَخَرَ الرجل (فتحہ کے ساتھ) فھو داخر، وأدخرہ اللہ (اللہ نے اسے ذلیل کر دیا)۔

اور ذوالرمہ نے کہا ہے:

فلم یَبْقَ إِلاَّ داخِرٌ فی مُخَیَّسٍ و مُنْجَحِرٌ فی غیرِ أرْضِكَ فی جُحْرِ(1)

اسے ماوردی نے ذوالرمہ کی طرف منسوب کیا ہے اور جوہری نے فرزدق کی طرف اس کی نسبت کی ہے اور کہا ہے: المُخَیَّسُ یہ جیل کا نام ہے یہ عراق میں ہے، یعنی ذلت و رسوائی کی جگہ۔

اور کہا ہے:

أما ترانی کَیِّسًا مُکَیِّسًا بَنَیْتُ بعدَ نافعٍ مُخَیَّسًا

اور اپنے قول: عَنِ الْيَمِيْنِ میں یمین کو واحد ذکر کیا ہے اور شمال کو جمع ذکر کیا ہے، کیونکہ یمین کا معنی جمع ہے اگرچہ یہ واحد ہے، اور اگر کوئی کہے: عن الأیمان والشمائل، والیمین والشمائل، یا الیمین والشمال، یا الأیمان والشمال تو (غیر قرآن میں) یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس کے معنی کثرت کے ہیں۔ اور یہ بھی کہ عربوں کا طریقہ ہے کہ جب ایک شے میں دو علامتیں جمع ہو جائیں تو ان میں سے ایک جمع لائی جاتی ہے اور دوسری مفرد، جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ (البقرہ: 7) (مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر) اور اسی طرح ارشاد ہے: يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرہ: 257) (اور وہ نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف) اور اگر کوئی کہے عن أسماعھم اور الی الأنوار تو یہ بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ لفظ یمین کا رجوع لفظ ما کی طرف ہو اور لفظ شمال کا رجوع اس کے معنی کی طرف ہو۔ اور کلام میں اس کی مثالیں کثیر ہیں۔

شاعر نے کہا ہے:

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 140

الواردون و تیم فی ذُرَا سَبَاء قد عَضَّ أعناقهم جِلْدُ الْجَوَا میس (1)

اس میں جلود نہیں کہا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یمین کو واحد ذکر کیا ہے کیونکہ سورج جب طلوع ہوتا ہے اور تیرا منہ قبلہ کی طرف ہو تو سایہ دائیں جانب سے پھیلتا ہے پھر ایک حال میں بائیں جہت کی طرف مڑ جاتا ہے پھر اس میں کئی حالات ہوتے ہیں، پس اس کا نام شمائل رکھا۔ (یعنی پہلی صورت میں ایک حال ہے لہٰذا لفظ یمین واحد ذکر کیا اور دوسری صورت میں کئی حالات ہیں اس لئے شمائل جمع ذکر کیا۔)

وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

''اور اللہ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے رب کی قدرت سے اور کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

قولہ تعالیٰ: وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ اور اللہ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے یعنی ہر وہ شی جو زمین پر رینگ کر چلتی ہے (مراد ہر قسم کے جاندار ہیں) وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی وہ ملائکہ جو زمین میں ہیں، اور ان کے شرف مرتبہ کی وجہ سے ان کی خصوصیت کے پیش نظر ان کا ذکر الگ فرمایا۔ اور دبیب (رینگنا) کی صفت سے انہیں ذکر کے ساتھ ممتاز کر دیا اگرچہ یہ ان میں داخل ہیں؛ جیسا کہ یہ ارشاد ہے: فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ (الرحمٰن) (ان میں میوے ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے) اور یہ بھی کہا گیا ہے: انہیں من جملہ ان جانداروں سے جو رینگتے ہیں یا ہاتھ پاؤں پر چلتے ہیں نکالنے کے لئے الگ ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پر بنا دیئے ہیں، لہٰذا یہ ان میں داخل نہیں پس اسی لئے ان کا الگ ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے ملائکہ، سورج، چاند، ستارے، ہوائیں اور بادل کا ارادہ کیا ہے وَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ اور زمین کے ملائکہ سجدہ کرتے ہیں۔ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ اور وہ اپنے رب کی عبادت سے غرور و تکبر نہیں کرتے۔ اور یہ ان قریش کا رد ہے جنہوں نے یہ گمان کیا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اور یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ کا معنی ہے یعنی وہ اپنے رب کی سزا اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، کیونکہ ہلاک و برباد کر دینے والا عذاب آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ اپنے رب کی اس قدرت سے ڈرتے ہیں جو ان کی قدرت و اختیار سے زیادہ اور اس پر غالب ہے۔ پس کلام میں حذف ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ کا معنی ہے کہ ملائکہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور یہ ان سے فائق اور اعلیٰ ہیں جو زمین میں جاندار وغیرہ ہیں اور اس کے باوجود وہ ڈرتے ہیں، تو جو رتبہ میں ان سے کم ہیں انہیں تو بدرجہ اولیٰ ڈرنا چاہئے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ یعنی ملائکہ وہ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 141

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝

"اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہ بناؤ دو خدا، وہ تو صرف ایک ہی خدا ہے (اس نے فرمایا) پس فقط مجھ سے ہی ڈرا کرو۔"

قولہ تعالیٰ: وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے تم دو خدا نہ بناؤ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اثْنَيْنِ کا قول تاکید کے لئے آیا ہے۔ اور جب سچا خدا متعدد نہیں ہو سکتا تو پھر ہر وہ جو متعدد ہوگا تو وہ الہ (خدا) نہیں ہے، اور اثنین کے ذکر پر اقتصار کیا گیا ہے، کیونکہ مقصود تعدد کی نفی ہے۔ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی بلاشبہ اس کی ذات مقدسہ تو فقط ایک ہے۔ اور اس کی وحدانیت پر عقلی اور شرعی دلیل قائم ہو چکی ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے اور ہم نے اسے شرح الاسماء میں اس کے اسم پاک الواحد کے تحت ذکر کیا ہے، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ یعنی پس تم مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اس کا بیان سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝

"اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی تابعداری اور اطاعت لازمی ہے۔ تو کیا اللہ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو۔"

قولہ تعالیٰ: وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا اس میں الدِّيْنُ کا معنی طاعت اور اخلاص ہے۔ اور وَاصِبًا اس کا معنی ہے دائما (ہمیشہ) یہ فراء نے کہا ہے، اسے جوہری نے بیان کیا ہے۔ وَصَبَ الشَّيئُ يَصِبُ وُصُوبًا، یعنی شے دائمی ہے۔ اور وصبَ الرجلُ علی الأمر (کہا جاتا ہے) جب کوئی آدمی کسی کام پر مواظبت اختیار کرے اور اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ واجب ہے۔ اور جنہوں نے وَاصِبًا کا معنی دائما بیان کیا ہے وہ حضرت حسن، مجاہد، قتادہ اور ضحاک ہیں۔ اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ (الصافات) یعنی ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

اور دؤلی نے کہا ہے:

لا أبتغي الحمد القليل بقاؤه	بذم يكون الدهرَ أجمع واصبًا(1)

اور غزنوی اور ثعلبی وغیرہما نے کہا ہے:

ما أبتغي الحمد القليلَ بقاؤه	يوما بِذَمِّ الدهر أجمع واصبا(2)

ان میں واصباً دائما کے معنی میں ہی واقع ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: الوصب کا معنی التعب والاعیاء (تھک جانا اور تھکا دینا) ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب رہتی ہے اگرچہ بندہ اس میں تھک جائے۔

اور اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

لا يُمسك الساقَ من أين ولا وَصَب	وَلا يَعَضّ على شُرْسُوفه الصفر

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 142 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 193

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے: وَاصِبًا بمعنی واجبًا ہے۔ اور فراء رحمۃ اللہ علیہ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: بمعنی خالصًا ہے۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ یعنی یہ نہیں چاہیے کہ تم غیر اللہ سے ڈرو، پس ''غیر'' تَتَّقُوْنَ کے سبب منصوب ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٗ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

''اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی جانب میں گڑگڑاتے ہو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ دور فرما دیتا ہے تکلیف کو تم سے تو فوراً ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ ناشکری کرتے ہیں ان نعمتوں کی جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھالو چند روز، تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔''

قولہ تعالیٰ: وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ فراء نے کہا ہے: مَا بمعنی الجزاء ہے۔ اور بِكُمْ میں با فعل مضمر کے متعلق ہے، تقدیر عبارت ہے: و مایکن بکم۔ مِّنْ نِّعْمَةٍ یعنی جسمانی صحت، وسعت رزق اور اولاد وغیرہ فَمِنَ اللّٰهِ وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ اور کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ هی۔ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ یعنی پھر جب تمہیں بیماری، مصیبت اور قحط سالی (غربت وغیرہ) آ پہنچتی ہے۔ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ تو اسی کی جانب دعا کے ساتھ گڑگڑاتے ہو۔ کہا جاتا ہے: جأر یجأر جؤارا اور الجؤار الخوار کی طرح ہے؛ کہا جاتا ہے: جأر الثور یجأر یعنی بیل نے شور مچایا۔ اور بعض نے عِجْلًا جسدًا له جؤار .... قرأت کی ہے۔ اسے اخفش نے بیان کیا ہے۔ اور جأر الرجل الی اللہ یعنی آدمی نے دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز و انکساری اور تضرع کا اظہار کیا۔

اور اعشیٰ نے گائے کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

فطافت ثلاثا بین یوم و لیلة و کان النكير أن تضيف و تجأرا

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ پھر جب اللہ تعالیٰ تم سے بلا، مصیبت اور بیماری دور فرما دیتا ہے۔ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ تو اس مصیبت کے ازالہ کے بعد اور گڑگڑاہٹ کے بعد تم میں سے فوراً ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ پس کلام کا معنی ہلاک ہونے سے نجات پانے کے بعد شرک کرنے پر اظہار تعجب کرنا ہے، اور یہ معنی قرآن کریم میں کئی بار ذکر کیا گیا ہے، سورۃ الانعام اور یونس میں گزر چکا ہے، اور سبحان وغیرہ میں آرہا ہے۔ اور زجاج نے کہا ہے: یہ اس کے ساتھ خاص ہے جس نے کفر کیا۔ لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ یعنی اس طرح وہ انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا جو اس نے ان سے ضرر و نقصان اور مصیبت کو، دور فرما کر ان پر انعام فرمایا، یعنی انہوں نے شرک کیا تا کہ وہ انکار کریں، پس لام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لام عاقبت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ یعنی اس طرح انہوں نے نعمت کو سبب کفر بنا دیا، اور یہ سب فعل خبیث ہے، جیسا کہ کسی نے کہا:

والکفر مخبثۃ لنفس المنعم

انعام کرنے والے کی ذات کے لئے انکار خبث ہے فَتَمَتَّعُوْا یہ امر برائے تہدید وجھڑک ہے۔ اور عبد اللہ نے قل تمتعوا پڑھا ہے۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (اے ناشکرو! چند روز لطف اٹھالو تم عنقریب اپنے عمل کا انجام جان لو گے۔)

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝56

"اور مقرر کرتے ہیں ان کے لئے جن کو یہ جانتے ہی نہیں حصہ اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے، اللہ کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہوگی اس کے متعلق جو تم بہتان باندھا کرتے ہو"

قولہ تعالیٰ: وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ان کی جہالت کی دوسری نوع کا ذکر کیا ہے، اور وہ یہ کہ وہ مقرر کرتے ہیں اپنے مالوں میں سے کچھ حصہ ان کے لئے جن کے بارے وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کوئی نقصان اور نفع دے سکتے ہیں اور وہ بت ہیں (صرف اس لئے) تاکہ وہ اس کے سبب ان کے قریب ہو جائیں؛ یہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا ہے، پس اس معنی کے مطابق يَعْلَمُوْنَ مشرکین کے لئے ہوگا (یعنی وہ نہیں جانتے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بتوں کے لئے ہے، اور اسے واؤ، نون کے ساتھ ذکر کرکے انہیں قائم مقام ذوالعقول کے رکھا ہے، اور یہ ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے اور یعلم کا مفعول محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ویجعل ھولاء الکفار للأصنام التی لا تعلم شیئا نصیبا (اور یہ کفار ان بتوں کے لئے حصہ مقرر کر رہے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتے۔) اور اس معنی کی تفسیر سورۃ الانعام میں اس قول کے تحت گزر چکی ہے: فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَھٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا (الانعام: 136) (اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے) پھر خبر سے خطاب کی طرف رجوع فرمایا اور ارشاد فرمایا: تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ (قسم بخدا! تم سے ضرور باز پرس ہوگی) تو یہ سوال اور باز پرس برائے زجر و توبیخ ہوگی۔ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ یعنی اس کے بارے میں جو تم اللہ تعالیٰ کے بارے مختلف نوعیت کے جھوٹ بولتے ہو کہ اس نے تمہیں اس بارے حکم دیا ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝57

"اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں سبحان اللہ! اور ان کے لئے تو وہ (بیٹے) ہیں جنہیں وہ پسند کرتے ہیں۔"

قولہ تعالیٰ: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ یہ آیت بنی خزاعہ اور کنانہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، پس وہ کہتے تھے بیٹیوں کو بیٹیوں کے ساتھ ملحق کر دو۔ سُبْحٰنَهٗ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی پاکی بیان فرمائی ہے اور اپنے آپ کا اس سے عظیم تر (اور بے نیاز) ہونے کا ذکر کیا ہے جس کی نسبت وہ اس کی طرف کرتے ہیں (یعنی) کسی کو اولاد بنانا۔ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ یعنی اپنے لئے تو وہ بیٹے پسند کرتے ہیں اور بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور ما مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے، اور اس کی خبر لَهُمْ ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول سُبْحٰنَهٗ پر کلام مکمل ہوگئی۔ اور فراء نے اس کے محل نصب میں ہونے کو جائز قرار دیا ہے، تقدیر کلام ہوگی: ویجعلون لھم ما یشتھون۔ اور زجاج نے اس کا انکار کیا

ہے۔اور کہا ہے: عرب اس جیسے کلام میں ویجعلون لأنفسهم استعمال کرتے ہیں۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸

''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ (رنج واندوہ سے) بھر جاتا ہے۔''

قولہ تعالیٰ: وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى یعنی جب ان میں سے کسی کو بچی کی ولادت کی خبر دی جاتی ہے۔ ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا تو اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے، اور یہاں سواد (سیاہی) سے مراد وہ نہیں ہے جو بیاض (سفیدی) کی ضد ہے، بلکہ یہ اس کے بچی کے سبب غمزدہ اور پریشان ہونے سے کنایہ ہے۔ اور ہر وہ آدمی جسے کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ شے لاحق ہو اس کے لئے عرب کہتے ہیں: قد اِسودّ وجهه غمًا وحزنًا۔ (تحقیق اس کا چہرہ غم اور پریشانی کے سبب سیاہ ہو گیا)؛ یہ زجاج نے کہا ہے۔ اور ماوردی نے بیان کیا ہے کہ مراد رنگ کا سیاہ ہونا ہی ہے، فرمایا: یہی جمہور کا قول ہے(1)۔ وَّ هُوَ كَظِيْمٌ اور وہ غم اور رنج سے بھر جاتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی حزین (2) (غمزدہ، پریشان حال) ہے۔ اور اخفش نے کہا ہے: یہ وہ ہے جو اپنا غصہ پی جاتا ہے اور اسے ظاہر نہیں کرتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک یہ وہ مغموم اور پریشان حال آدمی ہے جو اپنا منہ بند کر لیتا ہے اور غم کی وجہ سے کلام نہیں کرتا، یہ الكظامة سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی مشکیزے کا منہ بند کرنا ہے؛ یہ علی بن عیسیٰ نے کہا ہے۔ اور یہ معنی سورۂ یوسف میں گزر چکا ہے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۵۹

''چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے، (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا گاڑ دے اسے مٹی میں، آہ! کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں۔''

قولہ تعالیٰ: يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ یعنی لوگوں کی نظروں سے چھپتا پھرتا ہے اور غائب رہتا ہے۔ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ یعنی اس غم، ندامت اور شرم و حیا کے سبب جو اسے بیٹی کے سبب لاحق ہوگا۔ اَيُمْسِكُهٗ ضمیر کو مذکر ذکر کیا کیونکہ وہ ما کی طرف لوٹائی گئی ہے۔ عَلٰى هُوْنٍ یعنی ذلت و رسوائی کے ساتھ (کیا اسے اپنے پاس رکھے) اور اسی طرح عیسیٰ ثقفی نے علی هوان پڑھا ہے۔ اور الهون اور الهوان لغت قریش کے مطابق ہیں، یہ یزیدی نے کہا ہے، اور اسے ابو عبید نے کسائی سے بیان کیا ہے۔ اور فراء نے کہا ہے: یہ تھوڑا سا لغت تمیم کے مطابق ہے۔ اور کسائی نے کہا ہے: اس سے مراد بلاء (مصیبت و تکلیف) اور مشقت ہے۔

اور حضرت خنساء رحمۃ اللہ علیہا نے کہا ہے:

نُهِينُ النفوسَ و هُونُ النفوس يوم الكريهة أبقَى لها

(اس میں هون کا لفظ ابتلاء اور مشقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 194
2۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 148

اور اعمش نے أیسِکہ علی سُوءٍ پڑھا ہے، اسے نحاس نے ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: جحدری نے اَمْ یَدُسُّھَا فِی التُّرَابِ پڑھا ہے اور وہ اسے قول باری تعالیٰ بِالْاُنْثٰی کی طرف لوٹاتے ہیں۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اَیُمْسِکُھَا پڑھا جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الھوان (ذلت ورسوائی) بیٹی (البنت) کی طرف راجع ہے، یعنی أیمسکھا و ھی مھانۃ عندہ (کیا وہ اسے روکے رکھے اس حال میں کہ وہ اس کے پاس ذلیل ورسوا ہو)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ اس کی طرف لوٹ رہی ہے جس کی ولادت اس کے پاس ہوگی، أیمسکہ علی رغم أنفہ أم یدسہ فی التراب (کیا وہ اسے اپنی ناک خاک آلود کر کے روکے رکھے یا اسے مٹی میں گاڑ دے) اور یہ وہی ہے جو وہ بیٹی کو زندہ دفن کرنے کا عمل کرتے تھے۔ حضرت قتادہ نے کہا ہے: مضر اور خزاعہ قبیلے کے لوگ اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اور اس بارے میں ان سے زیادہ سخت تمیم تھے۔ انہوں نے گمان کیا کہ ان پر ظلم اور غلبے کا خوف اور غیر کفو کا طمع اور حرص انہیں (بچیوں) میں ہے۔ اور صعصعہ بن ناجیہ جو کہ فرزدق کا چچا تھا جب اس میں سے کوئی شے محسوس کرتا تو وہ بچی کے والد کی طرف اونٹ بھیجتا اور اس کے ساتھ وہ اس بچی پر شرم وحیا محسوس کرتا، پس فرزدق نے فخر کرتے ہوئے کہا ہے:

و عمی الذی منع الوائدات وأحیا الوئید فلم یُوأَدِ

اور یہ بھی کہا گیا ہے: دَسُّھا کا معنی اسے لوگوں سے چھپانا ہے تاکہ اس کی پہچان ہی نہ ہو، جیسا کہ مدسوس فی التراب یعنی مٹی میں گاڑ دیا جانا اسے نظروں سے چھپانے کے لئے ہے اور اس کا احتمال بھی ہے۔

مسئلہ۔ صحیح مسلم میں روایت موجود ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں، تو اس نے مجھ سے مانگا، سوال کیا اور میں نے اپنے پاس سوائے ایک کھجور کے اور کچھ نہ پایا۔ پس میں نے وہ کھجور اسے دے دی، اس نے اسے لیا اور اسے اپنی دونوں بچیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور خود اس سے کچھ بھی نہ کھایا، پھر وہ اٹھی اور اپنی دونوں بیٹیوں کو ساتھ لے کر نکل گئی، میرے پاس حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں نے اس کا واقعہ آپ کو عرض کیا، تو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جسے بیٹیوں میں سے کسی سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو وہ اس کے لئے آتش جہنم سے پردہ بن جائیں گی'' (1)۔ تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ بیٹیاں آزمائش ہیں، پھر آپ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ ان کے بارے صبر کرنے میں اور ان کے ساتھ احسان اور نیکی کرنے میں اتنا اجر ہے جو آتش جہنم سے بچا لے گا۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میرے پاس ایک مسکین عورت آئی وہ اپنے ساتھ دو بچیوں کو اٹھائے ہوئے تھی، تو میں نے اسے تین کھجوریں عطا کیں تو اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک کھجور دی، اور ایک کھجور اپنے منہ کی طرف اٹھائی تاکہ اسے کھائے اتنے میں اس کی دونوں بچیوں نے وہ مانگ لی پس اس نے اس کھجور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جسے وہ کھانا چاہتی تھی اور دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا، پس اس کی اس کیفیت اور طرز عمل نے مجھے بہت

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب فضل الاحسان الی البنات، جلد 2، صفحہ 330

متعجب کیا، تو جو عمل اس نے کیا تھا میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ عزوجل نے اس کے بدلے اس کے لئے جنت واجب کر دی ہے یا اس کے عوض اسے جہنم سے آزاد کر دیا ہے(1)''۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دو بچیوں کی کفالت کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح ہوں گے''(2)۔ اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا دیا۔ ان دونوں روایتوں کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابونعیم نے اعمش کی حدیث نقل کی ہے حضرت ابووائل حضرت عبداللہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جس کی ایک بیٹی ہو پس اس نے اسے ادب سکھایا اور اسے خوب اچھی طرح ادب سکھایا اور اسے تعلیم دلائی اور اسے خوب اچھی طرح تعلیم دلائی اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے اسے عطا کیں جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمائیں تو وہ اس کے لئے آتش جہنم سے ستر اور حجاب ہو گی''۔ عقیل بن علفہ کی طرف اس کی بیٹی جرباء کے بارے پیغام نکاح بھیجا گیا تو اس نے کہا:

إنّي وإن سِيق إلى المهر ... ألْفٌ و عُبدان و خُورٌ عشْرٌ

أحَبّ أصهاري إلى القبر

اور عبداللہ بن طاہر نے کہا ہے:

لكل أبِي بنت يراعي شؤونها ... ثلاثةٌ اصهار اذا حُمد الصِّهْرُ

فبَعْلٌ يُراعِيها و خِدْرٌ يُكِنّها ... و قبرٌ يوارِيها و خيرهم القبرُ

اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ یعنی بیٹیوں کی نسبت اپنے خالق کی طرف اور بیٹوں کی اضافت اپنی طرف کرنے میں (کتنا غلط فیصلہ وہ کرتے ہیں) اس کی نظیر یہ ہے: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ۝۲۱ (النجم) (کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى ۝۲۲ (النجم) (یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے۔) یعنی یہ ظلم کرنے والی ہے، اس کا بیان آگے آئے گا۔

لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۶۰

''ان لوگوں کے لئے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کا مالک ہے، اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔''

قولہ تعالیٰ: لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یعنی ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں بیان کرتے ہیں مَثَلُ السَّوْءِ جہالت اور کفر جیسی بری صفتیں ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کو بیوی اور اولاد کے ساتھ متصف کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد عذاب اور جہنم ہے۔ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کا مالک ہے اور وصف اعلیٰ

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب فضل الاحسان الی البنات، جلد 2، صفحہ 330 2۔ ایضاً

سے مراد اخلاص اور توحید ہے، یہ حضرت قتادہ نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: صفة علیا اس اعتبار سے ہے کہ وہ خالق ہے، رازق ہے، قادر ہے، اور جزا دینے والا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مَثَلُ السَّوْءِ اس سے مراد جہنم ہے، اور الْمَثَلُ الْاَعْلٰی سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دینا ہے۔ اور کہا گیا ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ: 11) (نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز۔) اور یہ بھی کہا گیا ہے: وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی اس کے اس قول کی طرح ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ (النور: 35) (اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال .....) اور اگر کہا جائے: یہاں کیسے مثل کی اضافت اپنی ذات کی طرف کر دی حالانکہ اس نے فرمایا ہے: فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (النحل: 74) (پس (اے جاہلو!) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں) تو جواب یہ ہے کہ اس کے قول فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ میں امثال سے مراد وہ ہیں جو مشابہت اور نقائص کو ثابت کرتی ہیں؛ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی مثال نہ بیان کرو جو نقص اور مخلوق کے ساتھ تشبیہ کا تقاضا کرتی ہو۔ اور الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ایسی شے کے ساتھ اس کا وصف بیان کرنا ہے جس کی نہ کوئی مشابہت ہو اور نہ نظیر۔ اور جو کچھ ظلم کرنے والے اور انکار کرنے والے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے انتہائی بلند اور اعلیٰ ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

"اور اگر (فوراً) پکڑ لیا کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کے باعث تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی جاندار کو لیکن وہ مہلت دیتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک، پس جب آ جاتی ہے ان کی (مقررہ) میعاد تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہو سکتے ہیں۔"

قولہ تعالیٰ: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کفر اور ان کی بہتان تراشی کے سبب جلدی پکڑ لیا کرتا مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا تو زمین پر کسی کو نہ چھوڑتا، پس یہ غیر مذکور سے کنایہ ہے، لیکن اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: مِنْ دَآبَّةٍ کیونکہ جاندار زمین پر ہی چلتا، رینگتا ہے۔ اور اس کا معنی ہے کہ مِنْ دَآبَّةٍ سے مراد کافرۃ (کفر کرنے والا) ہے، پس یہ خاص ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آباء کو ان کے کفر کے سبب ہلاک کر دیتا تو بیٹے بھی نہ ہوتے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت سے مراد عموم ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ مخلوق کو ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا کرتا تو اس زمین کی پشت پر نبی اور غیر نبی میں سے کسی جاندار کو نہ چھوڑتا اور یہ حسن کا قول ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی: اگر اللہ تعالیٰ مخلوق کو گنہگاروں کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا کرتا تو اس کا عذاب تمام مخلوق کو پہنچتا حتیٰ کہ سیاہ رنگ کے (غلاظت کے) کیڑے کو اس کی بل میں، اور وہ آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات روک لیتا تو سارے جاندار مر جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ عفو و فضل کو لیتا ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (المائدہ: 15) (اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے۔) فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ یعنی جب ان کی موت کا مقررہ وقت اور ان کی عمروں کے ختم ہونے

کا وقت آجائے۔ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اور اگر کہا جائے: پس ہلاکت عام کیسے ہوسکتی ہے اس کے باوجود کہ ان میں مومن بھی ہیں جو ظالم نہیں ہیں؟ تو کہا جائے گا: ظالم کی ہلاکت کو انتقام اور جزا بنا دیا جائے گا، اور مومن کی ہلاکت کو آخرت کے ثواب کا عوض قرار دیا جائے گا۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت مذکور ہے انہوں نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ کرے تو عذاب ان تمام کو پہنچتا ہے جو ان میں ہوں پھر انہیں ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا(1)''۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور ان سے اس لشکر کے بارے میں پوچھا گیا جسے دھنسا دیا جائے گا اور وہ حضرت ابن زبیر کے ایام (حکومت) میں ہوا، تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی پناہ لینے والا گھر میں پناہ لیتا ہے پس اس کی طرف کوئی جماعت (دستہ) بھیج دیا جائے گا اور جب وہ زمین میں مقام بیداء پر ہوں گے تو انہیں دھنسا دیا جائے گا(2)''۔ تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، تو اس کے بارے کیا ہوگا جو مجبور ہو؟ تو آپ نے فرمایا: ''ان کے ساتھ اسے بھی دھنسا دیا جائیگا لیکن قیامت کے دن اسے اپنی نیت پر اٹھایا جائے گا۔'' ہم نے اس معنی پر عمدہ بحث ''کتاب التذکرہ'' میں کی ہے اور سورۃ المائدہ میں اور سورۃ الانعام کے آخر میں اتنی بحث گزر چکی ہے جو کافی ہے۔ والحمد للہ۔ اور کہا گیا ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ یعنی جب قیامت کا دن آجائے گا۔ واللہ اعلم۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝۶۲

''اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے (بیٹیاں) جنہیں وہ (اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ (جب وہ کہتی ہیں کہ) فقط انہیں کے لئے بھلائی ہے، یقیناً ان کے لئے تو آتش (جہنم) ہے اور انہیں کو (دوزخ میں) پہلے بھیجا جائے گا۔''

قولہ تعالیٰ: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے تجویز کرتے ہیں وہ جنہیں وہ اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں یعنی بیٹیاں۔ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ یعنی ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں۔ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ان کے لئے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں ہیں۔ الْكَذِبَ یہ تَصِفُ کا مفعول ہے۔ اور اَنَّ، الکذب سے بدل ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے، کیونکہ یہ اس کا بیان ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: الْحُسْنٰى سے مراد اچھی اور بہترین جزا ہے: یہ زجاج نے کہا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابو العالیہ، مجاہد، اور ابن محیصن نے الْكُذُبُ کاف، ذال اور با کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ السنۃ کی صفت ہے اور اسی طرح وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ ہے (النحل: 16)۔ اور الْكُذُبُ كَذُوْب کی جمع ہے، مثلاً رَسُوْلٌ کی جمع رُسُلٌ، صَبُوْر کی صُبُر، اور شکور کی جمع شُکُر ہے۔ لَا یہ ان کے قول

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب الامر بحسن الظن باللہ تعالى عند الموت، جلد 2، صفحہ 387

2۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 203، حدیث 34668

کارد ہے، اور کلام مکمل ہو گئی، یعنی ایسا نہیں ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو۔ جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ یعنی یہ ثابت شدہ امر ہے کہ ان کے لئے آتش جہنم ہے۔ یہ مکمل بحث پہلے گزر چکی ہے۔ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ یعنی انہیں آتش جہنم میں چھوڑ دیا جائے گا اور بھلا دیا جائے گا؛ ابن الاعرابی، ابوعبیدہ، کسائی اور فراء نے یہ کہا ہے، اور یہی سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم نے یہ بھی کہا ہے: مبعدون (انہیں دور کر دیا جائے گا) حضرت قتادہ اور حسن رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: انہیں آتش جہنم کی طرف جلدی بھیجا جائے گا(1)، اس کی طرف انہیں فوراً آگے بھیج دیا جائے گا۔ اور الفارط وہ ہے جو پانی کی طرف آگے بڑھ جاتا ہے اور اسی سے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أنا فرطکم علی الحوض (2) میں حوض پر تمہارے پیش پیش ہوں گا۔

اور قطامی نے کہا ہے:

فاستعجلونا وکانوا من صحابتنا کما تعجّل فُرّاطٌ لوُرّاد (3)

اور الفُرّاط کا معنی ہے پانی کی طلب اور تلاش میں آگے بڑھنے والے۔ اور الورّاد کا معنی ہے پیچھے رہنے والے۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے ورش کی روایت میں مُفْرِطُوْنَ راء کو کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قرأت ہے، اور اس کا معنی ہے: گناہوں اور معصیت میں زیادتی کرنے والے، اسراف کرنے والے، یعنی افرطوا فیھا (انہوں نے ان میں بہت زیادتی کی)۔ کہا جاتا ہے: أفرط فلان علی فلان (یہ تب کہا جاتا ہے) جب وہ اس پر بہت زیادتی کرے، اور اس نے اس کو اس سے زیادہ برا کہا جتنا اس نے کہا۔ اور ابوجعفر القاری نے مُفَرِّطُوْنَ را کو کسرہ اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کرنے والے ہیں، پس یہ واجب میں تفریط کرنے (کمی کرنے) سے ماخوذ ہے۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾

"بخدا! ہم نے بھیجا ہے (رسولوں کو) مختلف قوموں کی طرف آپ سے پہلے پس آراستہ کر دیا ان کے لئے شیطان نے ان کے (برے) اعمال کو پس وہی ان کا دوست ہے آج بھی اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔"

قولہ تعالیٰ: تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ یعنی شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کے لئے آراستہ کر دیا۔ یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام آپ سے پہلے تشریف لائے ہیں ان کی قوم نے ان کے ساتھ بھی کفر کیا ہے۔ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ یعنی ان کے گمان کے مطابق وہی دنیا میں ان کا معاون و مددگار ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: فَهُوَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 154
2۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ماجاء فی قول اللہ واتقوا فتنۃ، جلد 2، صفحہ 1045
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 196

وَلِيُّهُمُ پس وہی جہنم میں ان کا ساتھی ہوگا۔ الْيَوْمَ مراد قیامت کا دن ہے، اور اس کے مشہور ہونے کی وجہ سے اس پر اسم الیوم کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان کو قیامت کے دن کہا جائے گا: یہ تمہارا دوست ہے پس تم اس سے مدد طلب کرو کہ وہ تمہیں عذاب سے نجات دلائے، یہ ان کو زجر و توبیخ کرنے کے انداز میں ہے۔

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

''اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لئے کہ آپ صاف صاف بیان کردیں ان کے لئے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایماندار ہے۔''

قولہ تعالیٰ: وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مگر اس لئے کہ آپ ان کے لئے دین اور احکام میں سے وہ بات صاف صاف بیان کردیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں پس آپ کے بیان سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی۔ اور هُدًى وَّرَحْمَةً کا لِتُبَيِّنَ کے محل پر عطف کیا گیا ہے کیونکہ اس کا محل نصب ہے۔ اور مجاز کلام یہ ہے: وما أنزلنا عليك الكتاب الا تبيانا للناس (اور ہم نے آپ پر کتاب نہیں اتاری مگر لوگوں کو وضاحت سے بیان کرنے کے لئے)۔ هُدًى مراد رشد، راہنمائی ہے۔ وَّرَحْمَةً یعنی مومنین کے لئے یہ سراپا ہدایت اور رحمت ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد، بے شک اس میں (کھلی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو (حق کی آواز) سنتے ہیں۔''

قولہ تعالیٰ: وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اللہ تعالیٰ نے بادل سے (پانی) اتارا۔ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا کلام نعمتوں کو شمار کرنے اور کمال قدرت کو بیان کرنے کی طرف لوٹ آیا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً بے شک اس میں دوبارہ زندہ کئے جانے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہے جب انہوں نے یہ جان لیا کہ ان کا معبود کسی شے کی استطاعت نہیں رکھتا، تو یہ دلیل ہو جائے گی لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے (حق کی آواز) دلوں کے ساتھ سنتے ہیں نہ کہ کانوں کے ساتھ) فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ (الحج) (حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

’’اور بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں ایک عبرت ہے، دیکھو! ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لئے۔‘‘

اس میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً اس کا بیان سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے، اور یہاں چوپاؤں کی چار قسمیں مراد ہیں: اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری۔ لَعِبْرَةً یعنی ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت پر دلیل ہے۔ اور العبرۃ دراصل ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور اس کی مثل قرار دینا ہے تاکہ اس کی حقیقت بطریق مشاکلہ پہچان لی جائے۔ اور اسی سے فَاعْتَبِرُوْا (پس عبرت حاصل کرو) ہے۔ اور ابوبکر وراق نے کہا ہے: مویشیوں میں عبرت ان کا اپنے مالکوں کے لئے مسخر ہونا اور ان کے لئے ان کی اطاعت و فرمانبراری کرنا ہے، اور تیرا اپنے رب کی سرکشی اختیار کرنا اور ہر شے میں اس کی مخالفت کرنا ہے، اور عظیم ترین عبرت اور سبق یہ ہے کہ وہ اس سے برأت کا اظہار کرے جو گنہگار کو گناہ پر ابھارتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: نُسْقِيْكُمْ اہل مدینہ، ابن عامر اور ابوبکر کی روایت میں عاصم کی قرأت (نون کے فتحہ) کے ساتھ ہے اور یہ سقی یسقی سے ماخوذ ہے۔ اور باقیوں نے اور حفص نے حضرت عاصم سے (نون کے ضمہ) کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ أسقی یُسقی سے ماخوذ ہے، اور یہی کوفیوں اور اہل مکہ کی قرأت ہے۔ کہا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں۔

اور لبید نے کہا ہے:

سَقَى قَوْمِي بَنِي مَجْدٍ وأسقَى   نُمَيْرًا و القبائلَ من هِلالِ (1)

اور یہ بھی کہا گیا ہے: جو شے تیرے ہاتھ میں ہو اور اسے کسی کے منہ میں ڈالے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے: سقیتہ (میں نے اسے پلایا)۔ اور جب تو اس کے لئے گھاٹ بنائے یا اسے پانی پیش کرے کہ وہ خود اپنے منہ سے اسے پی لے یا وہ کھیتی کو لگائے تو کہا جائے گا: أسقیتہ (میں نے اسے سیراب کیا)؛ یہ ابن عزیز نے کہا ہے، اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور ایک جماعت نے تسقیکم تا کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ ضعیف ہے، مراد چوپائے ہیں۔ اور اسے یا کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یعنی یسقیکم اللہ عزوجل (اللہ تعالیٰ تمہیں پلاتا ہے۔) اور قراء سابقہ دونوں قرأتوں پر ہیں، پس نون کا فتحہ قریش کی لغت ہے اور اس کا ضمہ حمیر کی لغت ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ لوگوں نے قول باری تعالیٰ: مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ میں ضمیر کے بارے اختلاف کیا ہے کہ کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ماقبل کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ جمع مونث ہے۔ سیبویہ نے کہا ہے: عرب الانعام کے بارے خبر واحد کے ساتھ بھی خبر دیتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا ہے (2): میرا خیال ہے انہوں نے اسی آیت کی وجہ سے اس پر اعتماد کیا ہے، اور یہ آپ کے منصب کے موافق نہیں ہے اور نہ اس کا ادراک آپ کے لائق اور مناسب

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 157   2۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1151

ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: جب جمع کا لفظ اسم جنس ہو تو اسے مذکر اور مونث دونوں طرح لایا جا سکتا ہے پس کہا جائے گا: ھو الأنعام اور ھی الأنعام، لہٰذا مذکر ضمیر کا لوٹنا جائز ہوا۔ اور یہ زجاج نے کہا ہے۔ اور کسائی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے مما فی بطون ما ذکرنا (اس سے جو پیٹوں میں ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے پس ضمیر مذکور کی طرف لوٹ رہی ہو گی۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ (المدثر) (یہ تو نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے)۔

اور شاعر نے کہا ہے:

مثل الفراخ نُتِقَتْ حواصلُه

اس میں بھی مذکر ضمیر لوٹائی گئی ہے۔ اور اس کی مثالیں کثیر ہیں۔

اور کسائی نے کہا ہے: مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ یعنی اس سے جو ان میں سے بعض کے پیٹوں میں ہے، کیونکہ مذکر جانوروں کا دودھ نہیں ہوتا، اور یہ وہی ہے جس پر ابو عبیدہ نے اسے محمول کیا ہے۔ اور فراء نے کہا ہے: الأنعام اور النَّعَم دونوں ایک ہی (معنی میں) ہیں، اور النعم مذکر ذکر کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے عرب کہتے ہیں: ھذا نعم وارد (یہ جانور قریب پہنچنے والے ہیں) پس یہ ضمیر اس لفظ نعم کی طرف لوٹ رہی ہے جو بمعنی الانعام ہے۔ ابن عربی نے کہا ہے: بلاشبہ مذکر ضمیر جمع کے معنی کی طرف، اور مونث ضمیر جماعت کے معنی کی طرف لوٹتی ہے، پس یہاں اسے لفظ جمع کے اعتبار سے مذکر ذکر کیا ہے، اور سورۃ المومنون میں لفظ جماعت کے اعتبار سے اسے مونث ذکر کیا ہے پس فرمایا: نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا اور اس تاویل سے معنی خوب اچھی طرح درست اور صحیح ہو جاتا ہے (1)۔ اور لفظ جماعت کے اعتبار سے مونث ذکر کرنا اور لفظ جمع کے اعتبار سے مذکر ذکر کرنا یبرین کے صحراؤں اور فلسطین کے چٹیل میدانوں سے زیادہ ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ بعض اَجل علماء نے اور وہ قاضی اسماعیل ہیں نے اس ضمیر کے لوٹانے سے یہ استدلال کیا ہے کہ نر کا دودھ تحریم کا فائدہ دیتا ہے، اور کہا ہے: بلاشبہ اسے مذکر لایا گیا ہے، کیونکہ یہ مذکر جانور کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ مذکر کے لئے دودھ شمار کیا گیا ہے، اسی لئے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ نر کا دودھ حرمت ثابت کر دیتا ہے جس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ابو القعیس کے بھائی افلح کی حدیث میں اس کا انکار کیا فللمرأۃ السقی وللرجل اللقاح (پس عورت کے لئے سیراب ہونا ہے اور مرد کے لئے مادہ منویہ ڈالنا ہے) پس اس میں ان دونوں کے درمیان اشتراک جاری ہے۔ اور لبن فحل کی تحریم کے بارے بحث سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 5۔ قولہ تعالیٰ: مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر اپنی عظیم قدرت پر آگاہ فرمایا ہے۔ اور الفرث: وہ گوبر ہے جو اوجھ کی طرف اتر آتا ہے پس جب وہ خارج ہو جائے تو اسے فرث نہیں کہا جاتا۔ کہا جاتا ہے: أفرثت الکرش جب تو اسے نکال دے جو کچھ اس میں ہے۔ اور اس کا معنی ہے کہ طعام (چارے) میں سے کچھ وہ ہوتا ہے جو اوجھ میں ہوتا ہے اور اس سے کچھ خون بن جاتا ہے، پھر دودھ خون سے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1151

خالص ہو جاتا ہے، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ یہ دودھ اس کے اور خون کے درمیان سے رگوں سے نکلتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک جانور چارہ کھاتے ہیں اور جب وہ اس کی اوجھ میں قرار پکڑ جائے تو وہ اسے پکا دیتی ہے پس اس کا نچلا حصہ گوبر ہے، اس کا درمیانہ حصہ دودھ، اور اس کا اوپر والا حصہ خون ہوتا ہے، اور جگر اور کلیجہ کو ان اصناف پر غالب اور مسلط کیا گیا ہے، پس وہ خون کو تقسیم کرتا ہے، اسے الگ کرتا ہے اور اسے رگوں میں چلاتا ہے، اور وہ دودھ کو کھیری میں پہنچاتا ہے۔ اور گوبر اسی طرح باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ وہ اوجھ میں تھا: حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ (القمر) ((وہ خبریں) سراسر حکمت ہیں پس ڈرنے والوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا) خَالِصًا مراد یہ ہے کہ وہ اسے خون کی سرخی اور گوبر کی گندگی سے پاک صاف کر دیتا ہے حالانکہ اس نے دونوں کو ایک برتن میں جمع کر رکھا ہے۔ اور ابن بحر نے کہا ہے: خالصا بیاضہ اس کی سفیدی کو خالص کرتا ہے۔ نابغہ نے کہا ہے:

بخالصۃ الأردان خُضْرِ المناکب

مراد آستینوں کی سفیدی ہے۔ اور یہ قدرت حاصل نہیں ہو سکتی مگر اسے ہی جو ہر شے میں مصلحت اور فوائد قائم رکھنے والا ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ نقاش نے کہا ہے: اس میں اس پر دلیل موجود ہے کہ منی نجس نہیں ہے، اور یہ ان کے سوا کئی دوسروں نے بھی کہا ہے اور استدلال کرتے ہوئے کہا ہے: جس طرح دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے اور وہ لذیذ اور خالص ہوتا ہے اسی طرح یہ جائز ہے کہ، پیشاب کے راستے سے نکلنے کے باوجود طاہر اور پاک ہو۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے: بے شک یہ بہت بڑی جہالت ہے اور انتہائی شنیع عمل میں شروع ہونا ہے، دودھ کے بارے میں تو اس نعمت و احسان ہونے کی خبر آئی ہے جو قدرت سے صادر ہوتا ہے تاکہ وہ عبرت ہو جائے، پس یہ سب خلوص اور لذت کے وصف کا تقاضا کرتا ہے اور منی اس حالت میں نہیں ہے کہ اسے اس کے ساتھ ملایا جائے یا اس پر قیاس کیا جائے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس کے معارض آتا ہے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کون سا احسان اس منی کے نکلنے سے عظیم تر اور بلند ہے جس سے معزز و مکرم انسان پیدا ہوتا ہے، تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَخْرُجُ مِنۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ (الطارق) (جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے) اور فرمایا: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (النحل: 72) (اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں اور پیدا فرمائے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے۔)

اور یہ احسان کی عنایت اور انتہا ہے، پھر اگر کہا جائے: بے شک یہ پیشاب کے راستے نکلنے کے سبب ناپاک اور پلید ہو جاتی ہے، تو ہم کہیں گے: یہ وہی ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔ پس نجاست ایک امر عارض ہے اور اس کی اصل پاک اور طاہر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک اس کے نکلنے کا راستہ پیشاب کے راستہ کے سوا ہے اور خاص کر عورت میں، کیونکہ اس میں ذکر کو داخل کرنے کا راستہ اور بچے کا راستہ پیشاب کے راستہ کے سوا ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ اور سورۃ البقرہ میں یہ پہلے گزر چکا ہے۔ پھر اگر کہا جائے: چونکہ اس کی اصل خون ہے اور وہ ناپاک اور نجس ہے، تو ہم کہیں گے: یہ اعتراض کستوری

کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی اصل خون ہے اور وہ پاک اور طاہر ہے۔ اور جنہوں نے اس کی طہارت کا قول کیا ہے وہ امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابو ثور وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں، اس کی وجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے اپنے ناخن کے ساتھ اسے کھرچ ڈالتی تھی درآنحالیکہ وہ خشک ہوتی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: پس اگر وہ نہ بھی کھرچی جا سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے سے منی کھرچ ڈالتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: وہ نخامہ (ناک سے بہنے والا مادہ) کی مثل ہے تو اسے اذخر (گھاس) کے ساتھ پھیلا لے اور پھر کپڑے کے ساتھ اسے صاف کر لے، پونچھ ڈالے۔ پھر اگر یہ کہا جائے: تحقیق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھو ڈالتی تھی پھر آپ اسی کپڑے میں نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور میں اس میں دھونے کے اثر (اور نشان) دیکھ رہی ہوتی تھی۔ تو ہم کہیں گے: اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ اسے گندگی سمجھ کر دھو ڈالتی تھیں جیسا کہ دیگر وہ اشیاء جو کپڑے سے زائل کی جاتی ہیں نہ کہ نجاست کی وجہ سے، اور اس طرح ان احادیث کے درمیان تطبیق ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ان کے اصحاب، اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ نجس اور پلید ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: کپڑے سے احتلام کو دھونا امر واجب ہے اور ہمارے نزدیک اس پر اجماع ہے۔ اور یہی علمائے کوفہ کا بھی قول ہے۔ اور حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی جاتی ہے کہ وہ اسے اپنے کپڑوں سے دھوتے تھے۔ اور اس میں حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے اختلاف کیا گیا ہے۔ منی کی نجاست اور اس کی طہارت کے بارے میں انہی دو قولوں پر تابعین بھی ہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ اس آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ دودھ سے پینے وغیرہ کا نفع اٹھانا جائز ہے، لیکن جہاں تک مردار کے دودھ کا تعلق ہے تو اس سے انتفاع جائز نہیں، کیونکہ وہ پاک مائع ہے جو ناپاک برتن میں پڑی ہوئی ہے، اور وہ اس طرح کہ مردار کی کھیری نجس اور ناپاک ہے اور دودھ پاک ہے پس جب اسے دوھیا گیا تو وہ اسی طرح ہو گیا گویا اسے ناپاک برتن سے لیا گیا ہے۔ اور رہا مردہ عورت کا دودھ تو اس بارے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ پس جنہوں نے کہا ہے کہ انسان طاہر ہے زندہ ہو یا مردہ تو وہ طاہر ہے۔ اور جنہوں نے کہا ہے: انسان مرنے کے سبب نجس ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک وہ نجس ہے۔ دونوں قولوں کے مطابق حرمت (رضاعت) ثابت ہو جاتی ہے؛ کیونکہ بچہ اس سے اسی طرح غذا حاصل کرتا ہے جیسے زندہ کے دودھ سے غذا حاصل کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رضاع وہ ہے جو گوشت پیدا کرے اور ہڈیوں کو بڑھائے" (1)۔ اور آپ نے اس میں کوئی تخصیص نہیں کی)، تفصیل سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ قولہ تعالیٰ: سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ یعنی لذیذ، خوش ذائقہ اور پینے والوں کے لئے اتنا آسان اور سکون بخش کہ پیتے وقت گلے میں ذرا اٹکتا نہیں۔ کہا جاتا ہے: ساغ الشراب یسوغ سوغا یعنی جس کا حلق میں داخل ہونا آسان اور

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی رضاعۃ الکبیر، جلد 1، صفحہ 281۔ ایضاً، حدیث نمبر 1763، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سہل ہو، اور أساغه شاربه (اس نے اسے پینے والے کے لئے آسان بنا دیا)، اور سغته أنا أسيغه و أسوغه، یہ متعدی بھی ہوتا ہے اور غیر متعدی بھی، اور عمدہ أسغته إساغة ہے کہا جاتا ہے: أسِغ لی غُصّتی یعنی مجھے مہلت دے اور میرے لئے جلدی نہ کر اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهٗ (ابراہیم: 17) (وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ بھرے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا۔) اور السِواغ (سین کے کسرہ کے ساتھ) وہ جس کے ساتھ تیرا غصہ اتر جائے۔ کہا جاتا ہے: الماء سِواغ الغصص (پانی غصے کو ٹھنڈا کر دینے والا ہے) اور اسی سے کمیت کا قول ہے:

فکانت سِوَاغاً ان جَئِزْت بِغُصَّةٖ

(پس یہ حلق کے پھندے کو دور کرنے والی شے ہے اگر اسے غصہ کے ساتھ پھندا لگ جائے) اور روایت ہے کہ دودھ کے ساتھ کبھی بھی کسی کا گلا نہیں گھٹا، اور یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس آیت میں میٹھی شے کے استعمال اور لذیذ کھانوں کے تناول کرنے پر دلیل موجود ہے، اور یہ نہیں کہا جائے گا: بے شک یہ زہد کو ختم کر دیتا ہے اور اسے دور کر دیتا ہے، لیکن جب جزوی طور پر ہو اور بغیر اسراف اور کثرت کے ہو۔ یہ معنی سورۃ المائدہ وغیرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور صحیح روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیالے کے ساتھ یہ تمام مشروبات پلائے ہیں شہد، نبیذ، دودھ اور پانی۔ اور بعض قراء نے فالوذج (آٹے، پانی اور شہد سے بنا ہوا حلوہ) کھانے اور کھانے کے ساتھ دودھ پینے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور عام علماء نے اسے مباح قرار دیا ہے۔ اور حسن سے روایت کی گئی ہے کہ وہ ایک دستر خوان پر تھے اور ان کے ساتھ مالک بن دینار بھی تھے، پس فالوذج لایا گیا تو انہوں نے اسے کھانے سے انکار کر دیا تو حسن نے انہیں کہا: کھاؤ! کیونکہ تم پر ٹھنڈے پانی میں اس سے زیادہ محاسبہ ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ ابو داؤد وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا تو آپ نے اسے نوش فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو اسے چاہئے کہ یہ کہے: اللّٰهم بارك لنا فيه وأطعمنا خيرا منه (اے اللہ! ہمارے لئے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں اس سے بہتر کھلا) اور جب دودھ پلایا جائے تو یہ کہنا چاہئے اللّٰهم بارك لنا فيه وزدنا منه (اے اللہ! ہمارے لئے اس میں برکت رکھ دے اور ہمیں اس سے زیادہ عطا فرما) کیونکہ دودھ کے سوا کوئی شے نہیں ہے جسے کھانے پینے کا بدل بنایا جا سکے (1)۔'' ہمارے علماء نے کہا ہے: ایسا کیسے نہیں ہو سکتا جب کہ یہ وہ ہے جس سے سب سے پہلے انسان غذا حاصل کرتا ہے اور اس کے ساتھ اجسام و ابدان نشو و نما پاتے ہیں، پس یہ وہ قوت اور طاقت ہے جو مفاسد سے خالی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اجسام مضبوط اور طاقتور بنتے ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے لئے اس امت کے ہدایت پر ہونے کی علامت قرار دیا ہے جو تمام امتوں سے بہترین امت ہے، پس صحیح میں فرمایا: ''میرے پاس حضرت جبرائیل امین

1۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات باب ما یقول إذا اکل طعاما، جلد 2، صفحہ 183۔ ایضاً، حدیث نمبر 3377، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
ایضاً، سنن ابی داؤد، کتاب الاشربہ، باب ما یقول إذا شرب اللبن، جلد 2، صفحہ 168

علیہ السلام ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے تو میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبرائیل امین علیہ السلام نے مجھے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے بلاشبہ اگر آپ شراب کو پسند کر لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی''۔ پھر دعا میں اس کی زیادتی کی التجا، یہ خوشحالی، خیرات کے ظہور، اور برکتوں کے کثیر ہونے کی علامت ہے، پس یہ سراپا برکت ہی برکت ہے۔

وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

''اور (ہم پلاتے ہیں تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس اور پاک رزق، بلاشبہ اس میں بھی (ہماری قدرت کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھدار ہیں۔''

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ علامہ طبری نے کہا ہے: تقدیر کلام ہے و من ثمرات النخیل والاعناب ما تتخذون (یعنی کھجور اور انگور کے پھلوں سے جو کچھ تم بناتے ہو) پس ما کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس کے حذف پر دلیل قول باری تعالیٰ: مِنْهُ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس میں محذوف شئی ہے، اور امر قریب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: منه کا معنی ہے ای من المذکور (یعنی ان سے جن کا ذکر کیا گیا ہے)۔ پس کلام میں حذف نہ ہوگا اور یہی اَولیٰ ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ قول باری تعالیٰ: وَ مِنْ ثَمَرٰتِ کا عطف الْاَنْعَامِ پر ہو یعنی اور تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں عبرت ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مِمَّا پر معطوف ہو یعنی اور ہم تمہیں پھلوں سے بھی مشروبات پلاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: سَكَرًا السکر ہر وہ شے جو نشہ دیتی ہے؛ لغت میں یہی مشہور ہے۔ سکر سے مراد خمر (شراب) لیا ہے، اور رزق حسن سے مراد ہر وہ حلال شے ہے جو ان دونوں درختوں سے کھائی پی جاتی ہے۔ اور یہی قول ابن جبیر، نخعی، شعبی اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک لغت حبشہ کے مطابق سکر سے مراد سرکہ ہے، اور رزق حسن سے مراد طعام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ السکر سے مراد میٹھا اور حلال رس (جوس) ہے، اور اسے سکر کا نام دیا گیا ہے کیونکہ جب یہ پڑا رہے تو یہ بھی مسکر (نشہ آور) ہو جاتا ہے، پس جب یہ نشہ دینے کی حد تک پہنچ جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان اقوال میں سے زیادہ صحیح اور مضبوط قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور دو معنوں میں سے ایک پر ہو سکتا ہے، یا تو یہ کہ اس آیت کا نزول تحریم خمر سے پہلے ہو، اور یا اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھجور اور انگور کے پھلوں کے ساتھ انعام فرمایا ہے اور تم اس سے وہ شے بناتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کی ہے (یہ) تمہاری طرف سے حد سے تجاوز اور زیادتی ہے، اور وہ شے بناتے ہو جو تمہارے لئے اس نے حلال کی ہے (اور) اس سے تمہاری منفعت کا قصد و ارادہ فرمایا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تحریم خمر سے پہلے نازل ہوئی پھر یہ منسوخ ہو گئی، کیونکہ یہ آیت باتفاق علماء مکی ہے، اور شراب مدینہ طیبہ میں حرام ہوئی (1)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1153

میں (مفسر) کہتا ہوں کہ اس بنا پر کہ سکر سے مراد سرکہ یا میٹھا رس ہو تو اس میں کوئی نسخ نہیں ہے، اور یہ آیت محکم ہوگی اور یہی اچھا اور بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اہل حبشہ سرکہ کو سکر کا نام دیتے ہیں، مگر جمہور کا موقف یہ ہے کہ سکر سے مراد خمر (شراب) ہے، ان میں سے حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابورزین، حسن، مجاہد، ابن ابی لیلیٰ اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم ہیں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان تمام نے یہ کہا ہے: سکر وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے پھلوں میں سے حرام قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح اہل لغت نے بھی کہا ہے: السکر اسم الخمر و ما یسکر۔ (یعنی سکر خمر کا نام ہے اور ہر اس شے کا جو نشہ آور ہوتی ہے)۔ اور انہوں نے یہ شعر بھی بیان کیا ہے:

بئس الصُّحاۃ و بئس الشَّرْبُ شَرْبُهم　إذا جری فیهم المُزَّاء والسَّکَر (1)

اور رزق حسن سے مراد وہ ہے جو ان دونوں کے پھلوں میں سے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک قول باری تعالیٰ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا خبر ہے۔ اس کا معنی استفہام بمعنی انکار ہے، یعنی کیا اس سے شراب بناتے ہو اور پاکیزہ رزق (یعنی) سرکہ، کشمش، اور کھجور سب چھوڑ دیتے ہو؟ جیسا کہ یہ قول ہے: فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ یعنی کیا وہ ہمیشہ رہیں گے؟ یعنی یہ تیرے لئے خوراک ہے۔ اور شاعر کا قول بیان کیا ہے:

جعلتَ عیبَ الأکرمین سَکَرًا (2)

(تو نے معززین کی عیب جوئی کو خوراک بنا لیا ہے) یعنی تو نے ان کی مذمت کو خوراک بنا لیا ہے۔ اور یہ علامہ طبری کی پسند ہے کہ السکر سے مراد ہر وہ شے جو کھانے میں سے کھائی جاتی ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے اس کا پینا حلال ہو اور یہی رزق حسن ہے، پس الفاظ مختلف ہیں لیکن معنی ایک ہے۔

اسی طرح یہ قول ہے: اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ (یوسف: 86) (میں تو شکوہ کر رہا ہوں اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا خدا کی بارگاہ میں) یہ معنی مراد لینا اچھا ہے اور اس میں کوئی نسخ نہیں، مگر زجاج نے کہا ہے: ابوعبیدہ کا یہ قول معروف نہیں ہے، اور علماء تفسیر اس کے خلاف ہیں، اور جو شعر انہوں نے کہا ہے اس میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ان کے سوا دوسروں کے نزدیک اس کا معنی ہے کہ وہ یہ بیان کر رہا ہے کہ وہ لوگوں کے عیوب کو ڈھانپ لیتی ہے، چھپا لیتی ہے۔ اور احناف نے کہا ہے: قول باری تعالیٰ سَكَرًا سے مراد وہ ہے جو نبیذوں میں سے نشہ آور نہ ہو اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان چیزوں کے ساتھ احسان کیا ہے جو اس نے ان کے لئے تخلیق فرمائی ہیں، اور احسان صرف انہی چیزوں کے ساتھ ہو سکتا ہے جو حلال کی گئی ہیں نہ کہ ان کے ساتھ جو حرام ہیں، پس یہی ایسی نبیذ کے پینے کے جواز پر دلیل ہے جو مسکر نہ ہو، پس جب وہ نشہ کی حد تک پہنچ جائے تو وہ جائز نہ ہوگی، اور انہوں نے اسے اس حدیث کے ساتھ قوی اور مضبوط کیا ہے جو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس خمر (شراب) کو حرام بعینہا اور سکر (نشہ آور شراب) کو حرام من غیرھا قرار دیا ہے(3)''۔ اور اس روایت سے جسے عبدالملک بن نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

1۔ تفسیر ماوردی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 198　2۔ ایضاً　3۔ کنز العمال، جلد 4، صفحہ 162، حدیث 9984

سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا: میں نے ایک آدمی کو دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ رکن کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور اس نے آپ کو ایک پیالہ پیش کیا سو آپ نے اسے اپنے منہ کی طرف اٹھایا تو اسے سخت (نشہ آور) پایا تو آپ نے اسے اس کے مالک کے پاس لوٹا دیا۔ تو اس وقت آپ کو لوگوں میں سے ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''اس آدمی کو میرے پاس لاؤ''۔ اسے لایا گیا تو آپ نے اس سے پیالہ پکڑ لیا، پھر پانی منگایا اور وہ اس میں انڈیل دیا پھر اسے اپنے منہ کی طرف بلند کیا اور اسے ہلایا۔ پھر پانی منگایا اور وہ بھی اس میں انڈیل دیا پھر ارشاد فرمایا: ''جب تم پر یہ برتن جوش مارنے لگیں تو تم ان کی شدت اور سختی کو پانی کے ساتھ توڑ دو۔'' اور یہ بھی روایت ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اسی دن آپ اسے نوش فرما لیتے تھے۔ اور جب اسے دوسرا یا تیسرا دن ہو جاتا تو آپ خادم کو پلا دیتے جب اس میں معمولی تغیر ہوتا، اگر یہ حرام ہوتی تو آپ قطعاً اسے نہ پلاتے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ابوعون ثقفی نے عبداللہ بن شداد سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: خمر (شراب) بعینها حرام ہے وہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب سے سکر (نشہ آور) حرام ہے۔ اسے دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے۔ پس اس حدیث میں اور ان میں جو اس کی مثل ہیں، یہ ہے کہ غیر خمر کا عین اس طرح حرام نہیں جس طرح خمر بعینها حرام ہے۔ انہوں نے کہا: خمر انگور کی شراب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور ان کے دلائل میں سے وہ روایت بھی ہے جسے شریک بن عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ ابو اسحاق ہمدانی نے عمرو بن میمون سے ہمیں بیان کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: بے شک ہم ان اونٹوں کا گوشت کھاتے ہیں اور اسے ہمارے پیٹوں میں سوائے نبیذ کے کوئی شے ہضم نہیں کر سکتی۔ شریک نے بیان کیا ہے: میں نے ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے زمانے کے جید عالم مالک بن معول کے گھر نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان کا یہ قول کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمایا ہے اور اس کا احسان نہیں ہو سکتا مگر ان چیزوں کے ساتھ جو اس نے حلال فرمائی ہیں یہ بالکل صحیح ہے؛ مگر یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ ارشاد تحریم خمر سے پہلے کا ہو جیسا کہ ہم نے اسے بیان کر دیا ہے تو پھر یہ منسوخ ہو گا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے: اگر یہ کہا جائے اس کا نسخ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ داخل نہیں ہو سکتا؟ تو ہم کہیں گے: یہ اس کا کلام ہے جس نے شریعت کی تحقیق نہیں کی، تحقیق ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ خبر جب وجود حقیقی کے بارے میں ہو یا ثواب عطا کرنے کے بارے میں در آئے لیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل ہو تو یہ وہ خبر ہے جس میں نسخ داخل نہیں ہو سکتا، لیکن جب خبر حکم شرعی کو متضمن ہو تو احکام تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور منسوخ بھی ہو جاتے ہیں، چاہے وہ خبر کی صورت میں ہوں یا امر کی صورت میں، اور نسخ نفس لفظ کی طرف راجع نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کی طرف راجع ہوتا ہے جسے وہ متضمن ہوتا ہے، پس جب تم یہ سمجھ گئے تو تم ان کند ذہنوں کی صنف سے خارج ہو گئے جس کے متعلق کفار کے بارے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ساتھ خبر دی ہے: وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (النحل) (اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں تم

صرف افترا پرداز ہو، بلکہ ان میں سے اکثر (آیت بدلنے کی حکمت کو) نہیں جانتے۔) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس سے جاہل اور ناواقف ہیں کہ رب کریم جس کے بارے چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے پابند اور مکلف بنادیتا ہے اور اپنے عدل کے ساتھ اس میں سے جو چاہتا ہے اٹھالیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: یہ انتہائی برا طعن وتشنیع ہے یہاں تک کہ اس میں نیکوکار علماء بھی فہم وفراست کی کمی میں کفار کے ساتھ مل جاتے ہیں، اور یہ مسئلہ اصولی ہے، وہ یہ کہ احکام شرعیہ کے بارے اخبار کا نسخ جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ نسخ جائز ہے اور اس کی وجہ یہ آیت اور اس کی مثل آیات ہیں، اور اس لئے بھی کہ کسی حکم کے مشروع ہونے کے بارے خبر اس مشروع کی طلب کو متضمن ہوتی ہے، اور وہی طلب وہ حکم شرعی ہے جس کے نسخ پر استدلال کیا جارہا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور رہیں وہ احادیث جو انہوں نے ذکر کی ہیں تو ان میں سے پہلی اور دوسری دونوں ضعیف ہیں، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ثابت کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہر شراب جو نشہ دے پس وہ حرام ہے(1)''۔ اور مزید فرمایا: ''ہر نشہ آور (مشروب) خمر ہے اور ہر نشہ آور (شراب) حرام ہے''۔ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ(2) اور مزید فرمایا: ''جس شے کی کثیر مقدار نشہ آور ہو تو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے(3)''۔ نسائی نے کہا ہے: ان احادیث کے تمام رواۃ اہل ثبت وعدالت ہیں اور صحت نقل کے ساتھ مشہور ہیں، اور عبدالملک ان میں سے کسی ایک کے قائم مقام بھی نہیں ہوسکتا اگرچہ اس کے ہم مثلوں کی جماعت بھی اس کی تائید اور معاونت کرے۔ وباللہ التوفیق۔

اور رہی تیسری حدیث تو اگرچہ وہ صحیح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خادم کو وہ اس لئے نہیں پلاتے تھے کہ وہ مسکر ہے بلکہ آپ اس لئے پلادیتے تھے کہ اس کی بو تبدیل ہوچکی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے تھے کہ آپ سے بو پائی جائے، پس اسی لئے آپ اسے نہ پیتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج نے عسل زینب کے بارے میں آپ پر یہ وہم اور شبہ کیا کہ آپ کو کہا گیا: بے شک ہم آپ سے مغافیر کی بو پاتی ہیں، مراد ناپسندیدہ بو ہے، پھر اس کے بعد آپ نے اسے نہ پیا۔ اس کا بیان سورت تحریم میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور رہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث! تو آپ سے اس کے خلاف بھی مروی ہے اور وہ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد کی روایت سے ہے کہ آپ نے فرمایا: ''وہ شے جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو تو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے (4)''۔ اور اسے آپ سے حضرت قیس بن دینار نے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح مسکر کے بارے میں آپ کا فتویٰ ہے؛ یہ دارقطنی نے کہا ہے۔ اور پہلی حدیث آپ سے حضرت عبداللہ بن شداد نے روایت کی ہے حالانکہ ایک جماعت نے ان سے مخالفت کی ہے، پس اس کے ساتھ قول ساقط ہوگیا اس کے ساتھ ساتھ کہ وہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی نہیں اور جہاں تک اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ، جلد 1، صفحہ 38

2۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب اباحۃ النبیذ الذی لم یشتد ولم یصر مسکرا، جلد 2، صفحہ 168

3۔ جامع ترمذی، کتاب الاشربہ، باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، جلد 2، صفحہ 9۔

ایضاً سنن ابن ماجہ، باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، حدیث 3384، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً

روایت کا تعلق ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: ہمارے پیٹوں میں نبیذ کے سوا کوئی شے اسے ہضم نہیں کر سکتی، تو آپ اس سے غیر مسکر کا ارادہ فرما رہے ہیں اور اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور نسائی نے عتبہ بن فرقد سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا: وہ نبیذ جسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پیا تھا اس کا سرکہ بنالیا گیا۔ نسائی نے بیان کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے پر حضرت سائب رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث دلالت کرتی ہے، حارث بن مسکین نے کہا ہے آپ پر پڑھا گیا اور میں ابن قاسم سے سنتا رہا: مالک نے ابن شہاب سے، انہوں نے سائب بن یزید سے مجھے بیان کیا ہے کہ انہوں نے انہیں خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: بے شک میں نے فلاں سے شراب کی بو پائی ہے، تو آپ کو گمان ہوا کہ وہ شراب الطلاء ہو اور میں اس کے بارے پوچھنے لگا ہوں جو اس نے پیا ہے، پس اگر وہ مسکر ہوا تو میں اسے کوڑے لگاؤں گا، پس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے مکمل حد کے کوڑے لگائے۔ تحقیق آپ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: امابعد! اے لوگو! چونکہ شراب (خمر) کے حرام ہونے کا حکم نازل ہو چکا ہے اور یہ پانچ چیزوں سے تیار ہوتی ہے انگور، شہد، کھجور، گندم اور جو سے اور خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ اور سورۃ المائدہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ پس اگر کہا جائے کہ ابراہیم نخعی اور امام ابو جعفر طحاوی نے اس کے پینے کو حلال قرار دیا ہے اور وہ بھی اپنے اہل زمانہ کے امام تھے، اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اسے پیتے تھے۔ تو ہم کہیں گے: نسائی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے نبیذوں میں سے مسکر کو حلال قرار دیا وہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور یہ ایک عالم کی پھسلاہٹ (اور خطا) ہے اور ہمیں عالم کی پھسلاہٹ سے محتاط رکھا گیا ہے، اور سنت کے ہوتے ہوئے کسی کے قول میں کوئی حجت نہیں ہے۔ اور نسائی نے بھی ابن المبارک سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے مسکر کے بارے میں کسی سے ایسی رخصت نہیں پائی جو صحیح ہو سوائے ابراہیم کے۔ ابو اسامہ نے کہا ہے: میں نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا جو بلاد شام، مصر، یمن اور حجاز میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر علم کا طالب ہو۔ اور رہے حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ! اگر ان دونوں سے یہ قول صحیح ہے تو بھی ان سے ان کے خلاف استدلال نہیں کیا جا سکتا جن ائمہ کرام نے تحریم مسکر میں ان کی مخالفت کی ہے اس کے ساتھ ساتھ کہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔

اس بنا پر کہ امام طحاوی نے اپنی کتاب ''الکبیر'' میں اختلاف میں اس کے خلاف ذکر کیا ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے کتاب التمہید میں ذکر کیا ہے کہ ابو جعفر طحاوی نے کہا ہے: امت اس پر متفق ہے کہ انگور کا رس (عصیر العنب) جب سخت ہو جائے، ابل جائے اور اس پر جھاگ بن جائے تو وہ خمر ہے اور اسے حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ اور نقیع التمر (بھگوئی ہوئی کھجوروں کا شربت) میں علماء نے اختلاف کیا ہے جب وہ ابل جائے اور نشہ پیدا کر دے۔ فرمایا: پس یہ تیری اس پر راہنمائی کر رہا ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''خمر ان دو درختوں سے بنتا ہے کھجور اور انگور (1)''۔ ان کے نزدیک اس کے مطابق عمل نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ حدیث کو قبول کرتے تو وہ نقیع التمر کو حلال قرار دینے والوں کو کافر قرار دیتے، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ خمر جو حرام کیا گیا ہے اس میں انگور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، بیان ان جمیع ما ینبذ مما یتخذ من النخل والعنب، جلد 2، صفحہ 163

کے اس رس کے سوا کوئی داخل نہیں جو سخت ہو گیا ہو اور اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ نشہ دینے لگے۔ فرمایا: پھر وہ اس سے خالی نہ ہوگا کہ تحریم صرف اسی کے ساتھ معلق ہو اور اس پر کسی غیر کو قیاس نہ کیا گیا ہو یا اس پر قیاس واجب اور ضروری ہوگا، تو ہم نے تمام کو پایا ہے کہ انہوں نے اس پر نقیع التمر کو قیاس کیا ہے جب وہ ابلنے لگے اور اس کی کثیر مقدار نشہ دینے لگے اور نقیع الزبیب بھی اسی طرح ہے۔ فرمایا: پس اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ واجب ہے کہ مشروبات میں سے ہر اس کو حرام قرار دیا جائے جو نشہ آور ہو۔ فرمایا: تحقیق حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "ہر مسکر حرام ہے (2)"۔ اور اس کی سند کی ضرورت نہیں کیونکہ اسے تمام نے قبول کیا ہے۔ اور ان کے درمیان اختلاف اس کی تاویل میں ہے، پس ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اس سے اس جنس کا ارادہ کیا ہے جو نشہ دیتی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: آپ نے اس سے ارادہ اس کا کیا ہے جس کے ساتھ وہ نشہ میں مبتلا ہو جائے جیسا کہ کسی کو قتل کے وجود کے بغیر قاتل کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حرام ہے ان کے اس قول کی وجہ سے: پس اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ واجب ہے کہ ہر نشہ آور مشروب کو حرام قرار دیا جائے۔ اور دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے خمر کو اس کے نام کی وجہ سے حرام نہیں کیا بلکہ اس کے انجام کی وجہ سے اسے حرام کیا ہے، پس ہر شراب کا انجام خمر کے انجام کی مثل ہی ہوتا ہے پس وہ خمر کے حرام ہونے کی طرح ہی حرام ہوگی۔ ابن منذر نے کہا ہے: اہل کوفہ معلول اخبار لائے ہیں، اور جب لوگوں کا کسی شے کے بارے اختلاف ہو جائے تو پھر اسے کتاب اللہ اور سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف لوٹانا واجب ہے۔ اور بعض تابعین کے بارے میں جو یہ مروی ہے کہ انہوں نے وہ شراب پی ہے جس کی کثیر مقدار نشہ دیتی ہے تو یہ قوم کے گناہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت طلب کریں گے، اور یہ دو معنوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہے کہ یا تو وہ خطا کار ہے اس حدیث کی تاویل میں اس نے خطا کی ہے جو اس نے سنی یا آدمی سے گناہ صادر ہوا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کثرت سے کرے، اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے اولین و آخرین پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔ اور آیت کی تاویل میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بے شک یہ عبرت کے لئے ذکر کی گئی ہے یعنی جو (ذات) ان اشیاء کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ یقیناً دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، اور یہ اعتبار اس سے مختلف نہیں ہوتا کہ خمر حلال ہو یا حرام، پس السکر (رس) بنانا تحریم پر دلالت نہیں کرتا، اور یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (البقرہ:219) (آپ فرمائیے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے۔) واللہ اعلم۔

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

"اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنایا کر پہاڑوں میں (اپنے) چھتے اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، بیان ان جمیع ماینبذ مما یتخذ من النخل والعنب، جلد 2، صفحہ 168

درختوں (کی شاخوں) میں اور ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں "۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ وحی کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے اور وہ یہ کہ یہ کبھی بمعنی الہام ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ ابتداءً ہی بغیر کسی ظاہری سبب کے دل میں بات القا کر دیتا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے: وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝ (الشمس) (قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو) اور اسی سے چوپائے اور وہ چیز ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان میں اپنے منافع پانے، اپنے نقصان اور تکلیف کے مقام سے اجتناب کرنے اور اپنی معاش کی تدبیر کرنے کے بارے پیدا فرما دیتا ہے۔ اور تحقیق اللہ عزوجل نے بے جان چیزوں کے بارے میں اسی کی خبر دی اور فرمایا: تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ (الزلزلہ) (اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات، کیونکہ آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا ہے۔)

ابراہیم حرمی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کو بے جان چیزوں میں قدرت ہے اس کے بارے معلوم نہیں وہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے اس کے بارے کچھ نہیں لائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بارے آگاہ کر دیا ہے یعنی ان کو الہام کر دیا ہے۔ اور تاویل کرنے والے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہاں وحی بمعنی الہام ہے۔ اور یحییٰ بن وثاب نے حا کے فتحہ کے ساتھ اِلَى النَّحَلِ پڑھا ہے۔ اور اسے نحل کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے وہ شہد عطا فرمایا ہے جو اس سے نکلتا ہے؛ یہ زجاج نے کہا ہے۔ اور جوہری نے کہا ہے: النحل اور النحلة الدبر (شہد کی مکھیوں کے انبوہ) کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے: یَعْسُوب (نر مکھی، شہد کی مکھیوں کا بادشاہ) اور اہل حجاز کی لغت میں النحل کو اور ہر اس جمع کو جس کے درمیان اور اس کی واحد کے درمیان صرف ھا کا فرق ہوتا ہے مونث لایا جاتا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: "تمام مکھیاں جہنم میں ہوں گی اللہ تعالیٰ انہیں اہل جہنم کے لئے عذاب بنا دے گا سوائے شہد کی مکھی کے"۔ اسے حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول" (1) میں ذکر کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد (لٹورا، موٹے سر، سفید پیٹ اور سبز پیٹھ کا ایک پرندہ جو چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے) کو مارنے سے منع فرمایا ہے (2)، اسے ابو داؤد نے بھی نقل کیا ہے، اور اس کا بیان سورۃ النمل میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ یہ تب ہے جب ان کا کوئی مالک نہ ہو وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کے چھتے ان تین قسموں میں بنائے ہیں یا تو پہاڑوں اور ان کی غاروں میں ہوں، درختوں

1۔ نوادر الاصول فی معرفۃ حدیث الرسول، باب الاصل الرابع والتسعون فی حکمۃ اللہ تعالیٰ فیما نہی عن قتلہ، صفحہ 132

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی قتل الذر، جلد، صفحہ 358۔ ایضاً، حدیث نمبر 4583، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کے درمیان (ان کی ٹہنیوں کے ساتھ) ہوں، یا پھر ان چھپروں، خالی جگہوں اور دیواروں وغیرہ کے ساتھ جنہیں لوگ بناتے ہیں۔ اور یہاں عرش بمعنی ھیأ (تیار کرنا) ہے۔ اور اس کا اکثر استعمال ایسے چھپر کے لئے ہوتا ہے جو لکڑیاں گاڑ کر، ٹہنیوں کو جوڑ کر سایہ حاصل کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے، اور اسی سے وہ عریش ہے جو غزوہ بدر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنایا گیا تھا، اور اسی سے لفظ عرش ہے۔ کہا جاتا ہے: عرش یعرِش و یعرُش (یعنی را کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ)، اور اسے دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ابن عامر نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی تمام نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور انہوں نے اس میں عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو پیدا فرمایا اور اس میں عجیب بات یہ ہے کہ اسے اپنا چھتہ مسدس (چھ کونوں والا) بنانے کا الہام کیا، پس اسی سبب سے وہ جڑا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک ٹکڑے کی مانند ہو جاتا ہے، اور وہ اس لئے کہ مثلث (تکون) سے معشر (دس کونوں والی شکل) تک تمام شکلیں جب ان میں سے ہر کوئی اپنی امثال کے ساتھ جمع ہو تو وہ آپس میں جڑتی نہیں اور ان دونوں کے درمیان شگاف آ جاتا ہے، سوائے مسدس شکل کے، کیونکہ یہ جب اپنی امثال کے ساتھ جمع ہو تو یہ جڑ جاتی ہے اور اس طرح ہو جاتی ہے (1) گویا کہ وہ ایک ٹکڑا ہے۔

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿69﴾

"پھر رس چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے پھر چلتی رہا کر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر، (یوں) نکلتا ہے ان کے شکموں سے ایک شربت مختلف رنگوں والا، اس میں شفا ہے لوگوں کے لئے، بے شک اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

قولہ تعالیٰ: ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اور یہ اس لئے ہے کیونکہ یہ درختوں سے کلیاں کھاتی ہیں۔ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ پھر تو اپنے رب کی راہوں پر چلتی رہا کر۔ اور السبل کا معنی الطرق (راستے) ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت اپنی طرف کی ہے کیونکہ وہ ان کا خالق ہے، یعنی تو پہاڑوں اور درختوں کے درمیان میں رزق تلاش کرنے کے لئے اپنے رب کی راہوں پر داخل ہو جا۔ ذُلُلًا یہ ذلول کی جمع ہے اور اس سے مراد مطیع کیا ہوا ہے، یعنی وہ راہیں جو مطیع اور مسخر کر دی گئی ہیں، پس ذُلُلًا یہ النحل سے حال ہے، یعنی شہد کی مکھی تابعداری کرتی ہے اور وہاں جاتی ہے جہاں اس کا مالک چاہے، کیونکہ یہ اپنے مالکوں کی اتباع اور پیروی کرتی ہیں جہاں وہ جائیں: یہ ابن زید نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قول باری تعالیٰ ذُلُلًا سے مراد راستے ہیں۔ اور یعسوب شہد کی مکھیوں کی سردار، ملکہ مکھی، جب وہ ٹھہر جائے تو یہ ٹھہر جاتی ہیں اور جب وہ چل پڑے تو یہ چل پڑتی ہیں۔

قولہ تعالیٰ: يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا یہ خطاب سے خبر کی طرف رجوع ہے اس بنا پر کہ اس میں نعمتوں کو شمار

1۔ احکام القرآن لابن العربی، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 1156

کرنا اور عبرت پر تنبیہ کرنا ہے پس فرمایا: یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ یعنی ان کے شکموں سے شہد نکلتا ہے۔ اور جمہور لوگوں کا موقف یہ ہے کہ شہد شہد کی مکھیوں کے مونہوں سے نکلتا ہے۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک قول منقول ہے(1) جو آپ نے اس دنیا کی حقارت بیان کرنے کے لئے کیا ہے کہ ابن آدم کا اشرف ترین اور عمدہ لباس وہ ہے جس میں ایک کیڑے کا لعاب ہے اور اس کا عظیم اور بہترین مشروب شہد کی مکھی کی بیٹ ہے۔ تو اس قول کا ظاہر اس پر دال ہے کہ شہد منہ کے سوا کسی اور مقام سے نکلتا ہے۔ الختصر یہ کہ وہ نکلتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ اس کے منہ سے نکلتا ہے یا اس کے نیچے سے، لیکن اس کی صلاحیت اور منفعت ان کے سانسوں کی گرمائش کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ ارسطا طالیس نے شیشے کا ایک مکان بنایا تا کہ وہ اس کیفیت کو دیکھ سکے جو وہ عمل کرتی ہیں، تو انہوں نے وہ عمل نہ کیا یہاں تک کہ شیشے کا اندرونی حصہ مٹی کے ساتھ لتھڑ گیا، لت پت ہو گیا؛ اسے غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ اور کہا: مِنْۢ بُطُوْنِهَا کیونکہ کھانوں میں تبدیلی اور تغیر پیٹ میں ہی ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ اس سے مراد اس کی مختلف انواع اور اقسام ہیں یعنی سرخ، سفید، زرد، جامد اور سائل (بہنے والا) مائع۔ ماں ایک ہوتی ہے اور اولاد مختلف ہوتی ہے یہ اس پر دلیل ہے کہ قدرت نے اسے غذا کی تقسیم کے اعتبار سے تقسیم کر دیا ہے، جیسا کہ اس کا ذائقہ کھائی جانے والی چیزوں کے مختلف ہونے کے حساب سے مختلف ہوتا ہے، اسی معنی میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت زینب کا قول ہے: جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ(2) (اس شہد کی مکھی نے ببول کے درخت کو چوسا ہے) اس لئے اس کی بو مغافیر کی بو کے مشابہ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ، فِیْهِ میں ضمیر شہد کے لئے ہے؛ یہ جمہور نے کہا ہے، یعنی شہد میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ اور حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد، ضحاک، فراء، اور ابن کیسان سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ ضمیر قرآن کریم کے لئے ہے، یعنی قرآن میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ نحاس نے کہا ہے: یہ قول اچھا ہے یا ان میں لوگوں کے لئے شفا ہے جو ہم نے تم پر آیات و براہین میں سے بیان کی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: شہد میں شفا ہے، اور یہ قول بھی بین اور واضح ہے، کیونکہ اکثر وہ مشروبات اور معجونیں جن کے ساتھ علاج کیا جاتا ہے ان کی اصل شہد ہے۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا ہے(3): جنہوں نے کہا ہے کہ مراد قرآن کریم ہے یہ اس سے بہت بعید ہے جو میں ان کی طرف سے صحیح خیال کرتا ہوں، اور اگر نقلاً صحیح بھی ہو تو عقلاً صحیح نہیں، کیونکہ سیاق کلام مکمل طور پر شہد کے بارے ہے، قرآن کریم کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: جہلاء میں سے ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اس آیت سے مراد اہل بیت اور بنو ہاشم ہیں کہ وہ نحل (شہد کی مکھی) ہیں، اور شراب قرآن اور حکمت ہے۔ ان میں سے کسی نے منصور ابو جعفر عباسی کی مجلس میں اس کا ذکر کیا، تو حاضرین میں سے کسی آدمی نے اس کو کہا: اللہ تعالیٰ نے تیرا کھانا، پینا اس میں سے بنایا ہے جو بنی ہاشم کے پیٹوں سے نکلتا ہے، پس اس نے حاضرین کو ہنسا دیا اور وہ دوسرا مبہوت ہو گیا اور اس پر اپنے قول کی کمزوری ظاہر ہو گئی(4)۔

1۔ المحرر الوجیز، سورۃ النحل، جلد 3، صفحہ 406
2۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب لم تحرم ما احل اللہ لک، جلد 2، صفحہ 793
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1158
4۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1157

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا اس قول باری تعالیٰ: فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ کے بارے میں اختلاف ہے کیا یہ اپنے عموم پر ہے یا نہیں؟ تو ایک گروہ نے کہا ہے: یہ اپنے عموم پر ہے اس میں ہر حال میں اور ہر ایک کے لئے شفا ہے (1)۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ آپ کو جب بھی کسی زخم یا کسی اور بیماری کی شکایت ہوتی تو اس پر شہد استعمال کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر پھوڑا نکل آتا تو اس پر شہد لگاتے تھے (2)۔ اور نقاش نے ابو وجرہ سے بیان کیا ہے کہ وہ شہد کے ساتھ سرمہ لگاتے تھے اور شہد ہی بطور دست آور دوا پیتے تھے اور پھر شہد کے ساتھ ہی علاج کرتے تھے۔ اور روایت ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو ان کو کہا گیا: کیا ہم آپ کا علاج نہ کریں؟ تو انہوں نے فرمایا: میرے پاس پانی لاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ق: 9) (اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی۔) پھر فرمایا: میرے پاس شہد لاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے) اور میرے پاس زیتون کا تیل لاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (النور: 35) (برکت والے درخت سے) پس وہ فوراً یہ تمام چیزیں لے آئے تو آپ نے ان تمام کو آپس میں ملا دیا پھر یہ شربت پی لی تو وہ صحت یاب ہو گئے (3)۔

اور ان میں سے بعض علماء نے کہا ہے: بے شک یہ عموم پر ہے جب یہ سرکے کے ساتھ ملایا جائے اور اسے پکایا جائے تو یہ ایسا مشروب تیار ہو گا جو ہر حال میں ہر بیماری کے لئے نفع بخش ثابت ہو گا۔

اور ایک گروہ نے کہا ہے: بے شک یہ خاص معنی پر ہے اور یہ ہر بیماری میں، اور ہر انسان کے لئے عام ہونے کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ یہ تو اس کے بارے خبر ہے کہ یہ اسی طرح باعث شفا ہے جس طرح اس کے علاوہ دیگر ادویہ بعض کے لئے، بعض حالات میں باعث شفا ہوتی ہیں، پس آیت کا فائدہ اس کے بارے یہ خبر دینا ہے کہ یہ دوا ہے کیونکہ اس کے ساتھ اکثر شفا ہو جاتی ہے۔ اور یہ مشروبات اور معجونوں میں سے دیگر ادویہ کے لئے یہ جز اور ان کا معاون ہو گیا اور یہ کوئی پہلا لفظ نہیں ہے جسے خاص کیا گیا ہے بلکہ قرآن اس سے بھرا پڑا ہے اور لغت عرب میں بہت سے عام بمعنی خاص اور خاص بمعنی عام آتے ہیں۔ اور جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اپنے عموم پر نہیں ہے وہ یہ کہ شفا نکرہ سیاق اثبات میں ہے، اور اس میں عموم نہیں ہوتا اس پر اہل زبان، محققین اہل علم، اور مختلف اہل اصول کا اتفاق ہے، لیکن اسے اہل الصدق والعزم میں سے ایک گروہ نے عموم پر محمول کیا ہے، پس وہ ہر قسم کے دردوں اور بیماریوں سے شہد کے ساتھ شفا حاصل کرتے ہیں، اور وہ اپنی بیماریوں سے قرآن کریم کی برکت اور تصدیق وایقان کی صحت کے ساتھ شفا پاتے ہیں۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ جس کی نیت کمزور ہو اور اس کی عادت دین پر غالب ہو تو اس نے اس کا مفہوم اطباء کے قول کے مطابق لیا ہے، اور یہ سب اسی حکیم کی حکمت میں سے ہے جو وہ سب کچھ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اگر کوئی کہنے والا کہے: ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جنہیں شہد نفع دیتا ہے اور وہ بھی جنہیں یہ نقصان اور ضرر دیتا ہے، تو پھر یہ لوگوں کے لئے شفا کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اسے کہا جائے گا: پانی ہر شے کے لئے حیات ہے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 407 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1158 3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1157

حالانکہ ہم نے کئی دیکھے ہیں جنہیں پانی مار دیتا ہے جب وہ اسے اس حال میں استعمال کریں جب ان کے بدن کی بیماری اس کی ضد اور اس کے خلاف ہو۔ اور ہم نے شہد کی شفا تو اس کے مشروبات میں سے اکثر میں دیکھی ہے؛ یہ معنی زجاج نے بیان کیا ہے۔ اور اطباء نے اپنے سرخیل بکرۃ سے سکنجبین کے ہر بیماری میں عام نفع بخش ہونے کی مدح پر اتفاق کیا ہے۔ اور اس کی اصل شہد ہے اور اسی طرح تمام معجونیں ہیں، اس بنا پر کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشکال کو ختم کر دیا اور احتمال کی وجہ کو دور کر دیا جس وقت آپ نے اس آدمی کے لئے شہد پینے کا حکم ارشاد فرمایا جو اپنے پیٹ میں بیماری کی شکایت کرتا ہے، سو جب اس کے بھائی نے آپ کو عرض کی کہ اسے استطلاق بطن (پیٹ کھلنے کی بیماری) میں اضافہ ہو گیا ہے تو آپ نے اسے دوبارہ بھی مشروب پینے کا حکم دیا تو وہ صحت یاب ہو گیا اور آپ نے فرمایا: صدق اللہ و کذب بطن أخیك (1) (اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا ہے۔)

مسئلہ نمبر 6۔ بعض زندیق اطباء نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے: تحقیق اطباء کا اس پر اجماع ہے کہ شہد دست لاتا ہے (پیٹ کو نرم کرتا ہے) تو پھر یہ اس کے لئے کیسے مفید ہو سکتا ہے جسے پہلے ہی اسہال کی بیماری ہو، تو جواب یہ ہے کہ وہ قول اس کے لئے فی نفسہٖ حق ہے جس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تصدیق حاصل ہو چکی ہے، اور وہ اسے اسی طریقہ پر استعمال کرتا ہے جو آپ نے معین فرمایا ہے اور یہ وہ محل ہے جس میں آپ نے اسے نیت اور حسن ضمیر کا اظہار کرنے کا حکم دیا ہے، تو وہ اس کی منفعت اور فوائد دیکھ لے گا اور اس کی برکت پالے گا، جیسا کہ اس شہد والے اور اس کے سوا دوسروں کو اتفاق ہوا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور رہا یہ کہ اس پر اجماع بیان کیا گیا ہے تو یہ ان کی جہالت پر نقلی دلیل ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے اسے مقید نہیں کیا بلکہ مطلق کہا ہے۔ امام ابو عبداللہ مازری نے کہا ہے: یہ جان لینا چاہئے کہ اسہال کا عارضہ کثیر وجوہ سے ہو سکتا ہے، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ بدہضمی اور ہیضہ کی وجہ سے دست شروع ہو جاتے ہیں، تو اس کی مثل میں تمام اطباء کا اس پر اجماع ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ طبیعت اور اس کے فعل کو (اپنے حال پر) چھوڑ دیا جائے اور اگر اسہال کی معاون دوا کی ضرورت ہو تو وہ استعمال کی جائے جب تک قوت باقی ہو، کیونکہ انہیں روکنا نقصان دہ ہے، تو جب یہ واضح ہو گیا تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہے اس آدمی کو اسہال کی بیماری پیٹ (میں ہوا) بھرنے اور ہیضہ کے سبب لگی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شہد پینے کا حکم ارشاد فرمایا ہو پس وہ زیادہ ہو گئے یہاں تک کہ وہ مادہ ختم ہو گیا اور اسہال رک گئے تو نتیجۃً شہد کا پینا اس کے لئے موافق اور نفع بخش ثابت ہوا، پس جب یہ بات طب کی صناعت سے نکلی ہے تو اس نے معترض کے اس صناعت سے جاہل اور ناواقف ہونے سے بھی آگاہ کر دیا۔

فرمایا: ہم ایسے نہیں کہ ہم حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر یقین کریں اس لئے کہ اطباء آپ کی تصدیق کرتے ہیں (نہیں) بلکہ اگر وہ آپ کو جھٹلا دیں تو ہم یقیناً انہیں جھٹلا دیں گے اور یقیناً ہم ان کا انکار کر دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے۔ پس اگر ہم نے ان کے قول کی صحت کو مشاہدہ کے ساتھ پالیا تو اس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تاویل

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعسل، جلد 2، صفحہ 848

اور اس معنی پر اس کی تخریج کے محتاج ہوں گے جس پر وہ صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس پر دلائل موجود ہیں کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے۔

مسئلہ نمبر 7۔ فی قولہ تعالیٰ: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اس میں دوا وغیرہ پینے کے ساتھ علاج کرنے کے جواز پر دلیل ہے بخلاف ان اجل علماء کے جنہوں نے اسے ناپسند کیا ہے، اور وہ ان صوفیہ کے طریقہ پر ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ولایت مکمل نہیں ہوتی مگر تب جب بندہ اس سب کے ساتھ راضی ہو جو اس پر مصیبت اور تکلیف وغیرہ نازل ہو، اور اس کے لئے علاج جائز نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جنہوں نے اس کا انکار کیا ہے، صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بیماری کے لئے دوا ہے پس جب بیماری کی دوا استعمال کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ شفایاب ہو جاتا ہے(1)۔'' ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت اسامہ بن شریک سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا: اعرابیوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم علاج نہ کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔ اے اللہ کے بندو! تم علاج کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کے لئے شفا یا دوا بھی رکھی ہے سوائے ایک بیماری کے''۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے(2)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بڑھاپا''۔ یہ الفاظ ترمذی کے ہیں، اور انہوں نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ابو خزیمہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا دم کے بارے کیا خیال ہے جو ہم کراتے ہیں، اور دوا کے بارے جس کے ساتھ ہم علاج کرتے ہیں، اور وہ پرہیز اور احتیاط جسے ہم اپناتے ہیں، کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے کسی شے کو رد کر دیتی ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے ہے(3)'' (امام ترمذی نے) فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ اس حدیث کے سوا ابو خزیمہ سے کوئی حدیث معروف نہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تمہاری دواؤں اور علاج میں سے کسی شی میں خیر اور بھلائی ہے تو وہ پچھنے لگانے یا شہد پینے یا آگ کے ساتھ جلانے کی شرط میں ہے اور میں داغ لگانا پسند نہیں کرتا(4)''۔ اسے صحیح نے نقل کیا ہے۔ اور اس باب میں احادیث شمار سے زیادہ ہیں۔ اور جمہور علماء کا موقف یہی ہے کہ علاج کرنا اور دم کرانا مباح ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما لقوہ کی وجہ سے داغ لگاتے اور بچھو کے ڈسنے کا دم فرماتے۔ ابن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بچے کو تریاق پلاتے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کا کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جنہوں نے اسے (علاج کو) مکروہ قرار دیا ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک گروہ اپنے چھوٹے بڑوں سمیت اکٹھا جنت میں داخل ہو گا وہ تعویذ گنڈہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، لکل داء دواء و استحباب التداوی، جلد 2، صفحہ 225

2۔ جامع ترمذی، کتاب الطب، ما جاء فی الدواء والحث علیہ، جلد 2، صفحہ 25۔ ایضاً، حدیث نمبر 1961، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع ترمذی، کتاب الطب، ما جاء فی الرقی والادویۃ، جلد 2، صفحہ 28۔ ایضاً، حدیث نمبر 1991، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، بالدواء بالعسل، جلد 2، صفحہ 848

نہیں کراتے ہیں، نہ وہ داغ لگواتے ہیں، اور نہ وہ فال پکڑتے ہیں، اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (1)"۔ انہوں نے کہا: پس مومن پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو لازم پکڑتے ہوئے، اس پر توکل کرتے ہوئے، اس پر اعتماد کرتے ہوئے، اور ہر شے سے کٹ کر اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے اسے چھوڑ دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایام مرض اور ایام صحت تمام کو جانتا ہے پس اگر مخلوق اس میں کمی کرنے یا زیادتی کرنے کی حریص ہو تو وہ اس پر قادر نہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِیۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا (الحدید: 22) (نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں۔)

اور ان میں سے جو اس طرف گئے ہیں وہ اہل فضل واثر کی ایک جماعت ہے، اور یہی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے اس بیماری کے دوران تشریف لے گئے جس میں ان کا وصال ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کیا تکلیف پا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: میرے گناہ (باعث تکلیف ہیں)۔ آپ نے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اپنے رب کی رحمت، انہوں نے فرمایا: کیا میں تمہارے لئے کوئی طبیب نہ بلاؤں؟ تو انہوں نے کہا: طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے...... اور آگے حدیث ذکر کی۔ مکمل روایت سورۂ واقعہ کے فضائل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور وکیع نے ذکر کیا ہے: ابو ہلال نے معاویہ بن قرۃ سے ہمیں بیان کیا ہے انہوں نے کہا: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو وہ ان کی عیادت کو گئے اور کہا: کیا ہم آپ کے لئے کوئی حکیم نہ بلائیں؟ انہوں نے جواب دیا: طبیب نے ہی تو مجھے لٹا رکھا ہے۔ اور اسی طرف ربیع بن خثیم بھی گئے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے بھی تعویز، منتر کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حسن دودھ اور شہد کے سوا تمام ادویہ پینا مکروہ جانتے تھے۔ اور پہلے فریق نے حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ اس میں کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ داغ لگانے کی کسی خاص نوع کا ارادہ کرنا مکروہ ہو، دلیل یہ ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دوران ابی کو رگ اکحل پر داغ لگایا جب انہیں تیر مارا گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شفا تین میں ہے (2)"۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور اسی طرح یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے منتر اور تعویذوں کا قصد مراد ہو جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ (الاسراء: 82) (اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں۔) جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو دم فرمایا اور انہیں دم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 8۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کی ایک جماعت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ شہد میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ یہ کھایا بھی جاتا ہے اور خوراک بھی ہے۔ اور اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مختلف ہے، اور اپنے نئے قول میں انہوں نے جو قطعی بات کی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شہد میں زکوٰۃ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، من اکتوی او کوی غیرہ، جلد 2، صفحہ 850 2۔ ایضاً، باب الشفاء فی ثلاث، جلد 2، صفحہ 848

واجب ہے چاہے اس کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، کیونکہ آپ کے نزدیک اس میں نصاب شرط نہیں ہے۔ اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: اس میں کوئی شے نہیں ہے یہاں تک کہ یہ آٹھ افراق تک پہنچ جائے اور ایک فرق میں چھتیس رطل عراقی ہوتے ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ہر دس مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ، اور انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شہد کے ہر دس مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ ہے (1)''۔ ابو عیسیٰ نے کہا ہے: اس کی اسناد میں کلام ہے، حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی بڑی شے صحیح منقول نہیں ہے، اور اسی پر اکثر اہل علم کے نزدیک عمل ہے، اور یہی امام احمد اور اسحاق بھی کہتے ہیں، اور بعض اہل علم نے کہا ہے: شہد میں کوئی شی نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ قولہ تعالیٰ: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو غور وفکر کرتے ہیں یعنی عبرت حاصل کرتے ہیں اور شہد کی مکھی میں عبرت سے مراد اس کے عجیب معاملہ میں انصاف کی نظر سے اور گہری غور وفکر کرتے ہوئے دیکھنا ہے، تو یقینی شہادت دیتا ہے کہ اسے کمزور اور ضعیف بنیاد کے باوجود لطیف صنعت کا الہام کرنے والا، اور اس کے متفرق احوال میں اسے حیلہ سازی کی مہارت عطا کرنے والا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے؛ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا: وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ الآیہ۔ پھر یہ کھٹا، کڑوا، میٹھا، نمکین (رس)، اور نقصان دہ گھاس وغیرہ بھی چوستی ہے، اور اللہ تعالیٰ اسے شہد بنا دیتا ہے جو میٹھا بھی ہوتا ہے اور باعث شفا بھی، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

''اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تمہیں پھر جان قبض کرے گا تمہاری اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تاکہ وہ کچھ نہ جانے جان لینے کے بعد، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے۔''

قولہ تعالیٰ: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ اس کا معنی پہلے بیان ہو چکا ہے۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ یعنی وہ اسے بدکام بنا دیتا ہے اور اسے کمینہ بنا دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مراد وہ ہے جس کی قوت وطاقت اور عقل کم ہو جاتی ہے، اور وہ اسے بے عقلی تک پہنچا دیتی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد أسفل العمر (انتہائی گھٹیا اور ناکارہ عمر) ہے، یعنی وہ اس بچے کی مثل ہو جاتا ہے جس میں کوئی عقل نہیں ہوتی اور دونوں معنی باہم قریب قریب ہیں۔ اور صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگتے ہوئے کہتے تھے: اللّٰھم إنی أعوذبك من الکسل وأعوذبك من الجبن وأعوذبك من الھرم وأعوذبك من البخل (2) (اے اللہ! میں تیری پناہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزکوۃ، ما جاء فی زکاۃ العسل، جلد 1، صفحہ 80

2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من أرذل العمر، جلد 2، صفحہ 943

مانگتا ہوں کاہلی اور سستی سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں بڑھاپے سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے) اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے واعوذبك أن أرد إلى أرذل العمر (1) الحدیث (اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں)۔ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا یعنی وہ بچپنے کی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ پس وہ ان امور کو بڑھاپے کی زیادتی کی وجہ سے نہیں جان سکتا جن کو اس سے پہلے جانتا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ کیفیت بندہ مومن کو لاحق نہیں ہوتی، کیونکہ مومن سے اس کا علم نہیں چھینا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے تاکہ وہ چیزوں کو جاننے کے بعد ان پر عمل نہ کر سکے، پس عمل کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ عمل کے لئے علم کی حاجت اور ضرورت ہوتی ہے؛ کیونکہ اس کے عمل میں بڑھاپے کی تاثیر اس کے علم میں اس کی تاثیر سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور معنی مقصود منکرین بعث پر استدلال کرنا اور حجت پکڑنا ہے، یعنی وہ ذات جو اسے اس حال کی طرف لوٹانے پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اسے مارے اور پھر اسے زندہ کر دے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

''اور اللہ تعالیٰ نے برتری بخشی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر دولت کے لحاظ سے پس (اب بتاؤ) کیا وہ لوگ جنہیں برتری بخشی گئی ہے وہ لوٹانے والے ہیں اپنی دولت کو ان لوگوں پر جو ان کے مملوک ہیں تاکہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں؟ (ہرگز نہیں) تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں''۔

قولہ تعالیٰ: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو غنی، بعض کو فقیر (مفلس)، بعض کو آزاد، اور بعض کو غلام بنایا ہے۔ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا پس (اب بتاؤ) کیا وہ لوگ جنہیں رزق میں برتری بخشی گئی ہے۔ بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (وہ اپنی دولت ان لوگوں پر لوٹانے والے ہیں جو ان کے مملوک ہیں) یعنی کوئی آقا اپنے مملوک پر اس دولت میں سے کوئی شے نہیں لوٹائے گا جو اس کو بخشی گئی ہے کہ مملوک اور مالک مال میں برابر ہو جائیں۔ اور یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتوں کی پوجا کرنے والوں کی بیان کی ہے، یعنی جب تمہارے غلام تمہارے ساتھ برابر نہیں تو پھر تم میرے غلاموں کو میرے ساتھ برابر کیسے بناتے ہو؟ پس جب ان کے غلام ان کے مالوں میں ان کے شریک نہیں تو پھر ان کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ غیر اللہ کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائیں مثلاً بت، پتھر اور دیگر وہ جن کی عبادت کی جاتی ہے جیسا کہ ملائکہ اور انبیاء وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں۔ یہ معنی علامہ طبری نے بیان کیا ہے، اور حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس وقت انہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا: فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یعنی کوئی آقا اپنے مملوک پر وہ مال نہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من أرذل العمر، جلد 2، صفحہ 942

لوٹا تا جواسے دیا گیا ہے کہ آقا اور غلام دونوں مال میں برابر برابر شریک ہو جائیں، تو پھر تم میرے لئے وہ کیسے پسند کرتے ہو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے کہ تم میرے لئے میرے غلاموں اور بندوں سے بیٹا بنا رہے ہو اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:
ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ (الروم: 28) (اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے، (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ) جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اور یہ اس پر دلیل ہے کہ غلام مالک نہیں ہوتا جیسا کہ ابھی اس کا بیان آئے گا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝

''اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں اور پیدا فرمائے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے اور رزق عطا فرمایا تمہیں پاکیزہ، تو کیا (یہ لوگ) باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کی ناشکری کرتے ہیں۔''

قولہ تعالیٰ: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا اس میں جعل بمعنی خلق ہے، یہ پہلے گزر چکا ہے۔ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کا معنی ہے تمہاری جنس سے اور تمہاری نوع سے اور تمہاری خلقت پر پیدا فرمائیں، جیسا کہ یہ ارشاد ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: 128) یعنی انسانوں میں سے ہی تمہارے پاس رسول آیا۔ اور اس میں ان عربوں کا رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اس نے (فلانے) جن سے شادی کر رکھی ہے اور وہ اس سے جماع کرتا ہے، حتیٰ کہ یہ روایت ہے کہ عمرو بن ہند نے ان میں سے ایک جننی کے ساتھ شادی کی اور وہ اسے بجلی کی چمک سے چھپا لیتا تھا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ لے کہ پھر بھاگ جائے، پس جب ایک رات بجلی چمکی اور اس جننی نے اسے دیکھ لیا تو اس نے کہا: عمرو! اور بھاگ گئی، پھر کبھی اس نے اسے نہ دیکھا۔ اور یہ ان کے گھڑے ہوئے جھوٹوں میں سے ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت کے مطابق جائز ہے، پس یہ ان فلاسفہ کا بھی رد ہے جو جنوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور وہ ان کے طعام کو محال قرار دیتے ہیں۔ اَزْوَاجًا مرد کا زوج وہ اس کی بیوی ہے، کیونکہ وہ ایک فرد ہے اور جب وہ اس کی طرف منسوب ہوگئی تو وہ زوجین (جوڑا) ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ اضافت مرد کی طرف کی گئی ہے نہ کہ عورت کی طرف کیونکہ وہی وجود میں عورت کی اصل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1 ۔ قولہ تعالیٰ: وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ یہ آیت بیٹوں کو نعمت شمار کرنے میں ظاہر ہے، اور بیٹوں کا وجود اکٹھا ان دونوں سے ہوتا ہے، لیکن جب بچے کی خلقت عورت میں ہوتی ہے اور یہ اسی سے الگ اور جدا ہوتا ہے (یعنی اس کے بطن سے خارج ہوتا ہے) تب اس کی اضافت اور نسبت اس کی طرف کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ غلامی اور آزادی میں

اسی کے تابع ہوتا ہے اور یہ مالیت میں اس کی مثل ہوتا ہے۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: میں نے مدینۃ الاسلام میں حنابلہ کے امام ابو الوفاء علی بن عقیل کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: بے شک مالیت میں بیٹا ماں کے تابع ہے اور یہ غلامی اور آزادی میں اسی کے حکم میں ہے، کیونکہ باپ سے تو نطفہ خارج ہوا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں اور نہ اس میں کوئی مالیت اور منفعت ہے، بلاشبہ اس (مرد) نے جو حاصل کیا وہ عورت کے ساتھ اور اس سے ہی حاصل کیا، پس اسی وجہ سے بچہ عورت کے تابع ہے، جیسا کہ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی زمین میں کھجور کھائے اور اس کی گٹھلی کھانے والے کے ہاتھ سے اس زمین پر گر پڑے اور اس سے کھجور کا درخت نکل آئے تو اس پر امت کا اجماع ہے کہ وہ درخت مالک زمین کی ملکیت ہوگا نہ کہ کھجور کھانے والے کی ملکیت ہوگا، کیونکہ جو شے کھانے والے سے الگ ہوئی ہے اس کی کوئی قیمت نہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: وَحَفَدَةً ابن القاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ان سے قول باری تعالیٰ: بَنِيْنَ وَحَفَدَةً کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میری رائے میں حَفَدَةً سے مراد خدام اور معاونین و مددگار ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول باری تعالیٰ: وَحَفَدَةً کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: وہ مددگار اور معاونین ہیں۔ پس جس نے تیری معاونت اور مدد کی پس وہی تیرا حفید ہے۔ تو آپ سے پوچھا گیا: کیا عرب اسے جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہ تو اسے بولتے ہیں، کیا تو نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا:

حَفَدَ الولائدُ حولهن وأُسلمتْ   بأكفِهِنّ أَزِمَّةُ الأجمال (1)

یعنی انہوں نے خدمت میں خوب تیزی کی۔ اور الولائد سے مراد خدام ہیں، اور اس کا واحد ولیدۃ ہے۔

اعشی نے کہا ہے:

كَلَّفتُ مجهولَها نُوقًا يمانية   إذا الحُداةُ على أكسائها حَفَدوا (2)

یعنی انہوں نے بہت تیزی اور جلدی کی۔ (حفدوا بمعنی أسرعوا ہے)

اور ابن عرفہ نے کہا ہے: عربوں کے نزدیک الحفدۃ سے مراد أعوان و مددگار ہیں۔ پس ہر وہ جس نے کوئی کام کیا اس میں اس نے اطاعت کی اور تیزی کی تو وہی حافد کہلاتا ہے، فرمایا: اسی معنی میں یہ قول ہے: إليك نسعى و نحفد (تیری طرف ہی ہم کوشش کرتے ہیں اور خوب تیزی کرتے ہیں) اور الحَفَدان کا معنی سرعت اور تیزی ہے۔ ابو عبید نے کہا ہے: الحفد کا معنی عمل اور خدمت ہے۔ اور خلیل بن احمد نے کہا ہے: عربوں کے نزدیک الحفدۃ سے مراد خدام ہیں، اور یہی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور ازہری نے کہا ہے: کہا گیا ہے کہ الحفدۃ سے مراد اولاد کی اولاد یعنی بچوں کے بچے (پوتے) ہیں۔ اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مراد داماد ہیں (3)؛ یہ حضرت ابن مسعود، علقمہ، ابو الضحیٰ، سعید بن جبیر اور ابراہیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

اور اسی معنی میں شاعر کا قول بھی ہے:

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 172 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 203 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1161

فلوأن نفسی طاوعتنی لأصبحتْ لها حَفَدٌ مما یُعَدُّ کثیرُ
ولکنها نفسٌ علیّ أبیّة عَیُوفٌ لإصهار اللئام قذور(1)

اور زر نے عبداللہ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ الحفدۃ سے مراد أصهار (داماد یا بہنوئی وغیرہ کی قرابت) ہے، (یا سسرال کی قرابت ہے)؛ اور یہ ابراہیم نے کہا ہے، اور یہ معنی باہم متقارب ہیں۔ اصمعی نے کہا ہے: الخَتَن وہ رشتہ دار جو عورت کی جانب سے ہو، مثلاً اس کا باپ (سسر) اس کا بھائی (سالا) اور انہی کی مثل دیگر رشتہ دار اور اصہار ان کا مجموعہ ہوتا ہے (2)۔ کہا جاتا ہے: أصهر فلان الی بنی فلان و صاهر (فلان نے بنی فلاں کو سسرال بنا دیا۔) اور عبداللہ کا قول هم الأختان دونوں معنوں کا ایک ساتھ احتمال رکھتا ہے۔ یہ احتمال بھی رکھتا ہے کہ اس کی مراد عورت کا باپ اور اس کے مشابہ اس کے دیگر رشتہ دار ہوں، اور یہ احتمال بھی رکھتا ہے کہ مراد یہ ہو اور اس نے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا کی ہیں، تم ان کا نکاح کرتے ہو، پس ان کے سبب سے تمہارے داماد ہوتے ہیں۔ اور عکرمہ نے کہا ہے: الحفدۃ آدمی کا نفع جو اس کے بیٹے کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور اس کی اصل حَفَدَ یحفِد (یعنی ماضی میں عین کلمہ مفتوح اور مضارع میں یہ مکسور ہے) سے ہے جب کوئی اپنی چال میں خوب تیزی کرے، جیسا کہ کثیر نے کہا ہے:

حفد الولائد بینهن ...... البیت۔

اور کہا جاتا ہے: حفدت اور أحفدت یہ دونوں لغتیں ہیں جب تو کسی کی خدمت کرے۔ اور کہا جاتا ہے: حافد و حفد، جیسا خادم و خدم ہے، اور حافد و حفدۃ کافر و کفرۃ کی مثل ہیں۔ مہدوی نے کہا ہے: جنہوں نے الحفدۃ سے مراد خدام لئے ہیں انہوں نے اسے اپنے ماقبل سے منقطع کر دیا ہے اور اسے مقدم کرنے کی نیت کی ہے، گویا کہ یہ فرمایا: جعل لکم حفدۃ و جعل لکم من ازواجکم بنین۔ (اس نے تمہارے لئے خدام پیدا کئے اور اس نے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے پیدا کئے)

میں (مفسر) کہتا ہوں: وہ جو ازہری نے کہا ہے کہ حفدۃ سے مراد بچوں کے بچے ہیں وہی قرآن کریم کا ظاہر ہے بلکہ اس کی نص ہے، کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ اس نے فرمایا ہے: وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً پس اس نے حفدۃ اور بنین ان سے پیدا کئے ہیں۔ (یعنی پوتے اور بیٹے)۔

ابن عربی نے کہا ہے: میرے نزدیک اس قول میں زیادہ ظاہر بَنِیْنَ وَحَفَدَةً (بیٹے اور پوتے) ہیں کہ بیٹے آدمی کی اپنی صلبی اولاد ہے اور حفدۃ (پوتے) اس کے بیٹے کی اولاد ہے (3)۔ اور لفظ کی قوت میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے، اور اس معنی کی بنا پر آیت کی تقدیر یہ ہوگی: وجعل لکم من ازواجکم بنین و من البنین حفدۃ (اس نے تمہارے تمہاری بیویوں سے بیٹے پیدا کئے اور بیٹوں سے پوتے پیدا کئے۔) اور یہ معنی حسن نے بیان کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب ہم نے حضرت مجاہد، حضرت ابن عباس، امام مالک اور علمائے لغت علیہم الرحمہ کے اس قول پر

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 202 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1161 3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1162

تفریع بیان کی ہے کہ الحفدۃ سے مراد خدام اور اعوان و مددگار ہیں، تو پھر بیٹے اور بیوی کی خدمت عمدہ بیان کے ساتھ قرآن سے نکل آئی؛ یہ ابن عربی نے کہا ہے(1)۔

امام بخاری وغیرہ نے حضرت سہل بن سعد سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابو اسید ساعدی نے اپنی دعوت ولیمہ کے لئے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی پس ان کی بیوی ان کی خدمت کرتی رہی(2)...... الحدیث۔ یہ سورۂ ھود میں گزر چکی ہے۔ اور صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے اونٹوں کے قلادے خود اپنے ہاتھوں سے بٹے(3)۔ الحدیث۔ اور اسی لئے ہمارے علماء نے کہا ہے: عورت پر لازم ہے کہ وہ بستر بچھائے، ہانڈی پکائے، اور گھر میں جھاڑو پھیرے، اپنی حالت اور اپنے رواج کا لحاظ رکھتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا (الاعراف: 189) (اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے)۔ گویا ہمارے لئے ان میں سکون و راحت، لطف اندوز ہونا، اور عادت جاریہ کے مطابق خدمت کرنا سبھی امور جمع کر دیئے گئے ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ آدمی اپنی بیوی کی خدمت کرے گا ان امور میں جن میں خدمت آسان ہو اور وہ اس کی مدد و معاونت کر سکتا ہو، جیسا کہ اسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کے کام کاج میں شریک ہوتے تھے اور جب آپ اذان سنتے تو پھر آپ تشریف لے جاتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اور وہ اس کی مدد کرے گا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں سے یہ ہے کہ آپ نعلین پاک کی مرمت کر لیتے تھے، گھر میں جھاڑو لگا دیتے تھے اور کپڑا سی لیتے تھے(4)۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا درآنحالیکہ آپ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کام کرتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان تھے آپ اپنے کپڑے سے جوئیں نکالتے تھے، اپنی بکریاں دوہ لیتے تھے اور اپنے آپ کی خدمت کرتے تھے (یعنی اپنے کام خود کرتے تھے)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اور ایک خادمہ کا خرچہ دیا جائے گا، اور یہ بھی کہا گیا ہے: ایک سے زیادہ کا خرچہ دیا جائے گا، اس کا انحصار دولت و ثروت اور مقام و مرتبہ کی قدر پر ہے۔ اور یہ وہ امر ہے جس کا دارو مدار اس عرف پر ہے جو اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے، کیونکہ دیہاتیوں اور بادیہ نشینوں کی عورتیں اپنے خاوندوں کی خدمت کرتی ہیں حتیٰ کہ میٹھا پانی لانے اور جانوروں کو چرانے اور ہانکنے میں بھی معاونت کرتی ہیں، اور جہاں تک شہروں کی عورتوں کا تعلق ہے تو ان میں سے کمزور اور متوسط درجے کے لوگ اپنی بیویوں کی ان کاموں میں خدمت کرتے ہیں جو ہلکے ہوتے ہیں اور وہ ان کی معاونت کرتے ہیں، اور رہے اہل ثروت اور خوشحال لوگ تو وہ اپنی بیویوں کی خدمت کرتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ سکون اور آرام لیتی ہیں جب

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1163
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، الانتباذ فی الاوعیۃ، جلد 2، صفحہ 837
3۔ ایضاً، کتاب المناسك الحج، من قلد القلائد بیدہ، جلد 1، صفحہ 230
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1163

ان کے لئے ایسا منصب ہو، اور اگر کام مشکل ہو تو بیوی اسے اسی پر ڈال دیتی ہے، اور یہ شہادت دیتی ہے کہ یہ تو معروف ہے کہ وہ (عورت) ان میں سے ہے جو اپنے آپ کی خدمت نہیں کر سکتیں پس اس کی خدمت کا انتظام کر، چنانچہ وہی نافذ ہو جاتا ہے اور اس بارے میں دعویٰ (کا حق) ختم ہو جاتا ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ یعنی پھلوں، اناج اور حیوانوں سے (اس نے تمہیں پاکیزہ رزق دیا) اَفَبِالْبَاطِلِ مراد بت ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ جمہور کی قرأت یا کے ساتھ ہے اور ابو عبد الرحمن نے تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ مراد اسلام ہے اور اسلام کے ساتھ هُمْ يَكْفُرُوْنَ وہ کفر کرتے ہیں۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۚ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

"اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی جو انہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ کچھ کر سکتے ہیں۔ پس (اے جاہلو!) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

قولہ تعالیٰ: وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ اس میں رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ سے مراد بارش ہے۔ وَ الْاَرْضِ اس سے مراد نباتات ہے۔ شَيْـًٔا اخفش نے کہا ہے: یہ رِزْقًا سے بدل ہے۔ اور فراء نے کہا ہے: اس پر رزق کو واقع کرنے کے سبب یہ منصوب ہے، یعنی يعبدون مالا يملك أن يرزقهم شيئا (وہ عبادت کرتے ہیں ان معبودوں کی جو کچھ اختیار نہیں رکھتے کہ وہ انہیں کوئی شے عطا کریں۔) وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ یعنی وہ کسی شے پر قدرت نہیں رکھتے، مراد بت ہیں۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ یعنی تم اس کے ساتھ ان جمادات کو تشبیہ نہ دو، کیونکہ وہ تو واحد اور یکتا ہے وہ قدرت رکھتا ہے اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور (اس کے مقابلہ میں) ایک وہ بندہ ہے جسے ہم نے رزق دیا اپنی جناب پاک سے رزق حسن۔ پس وہ خرچ کرتا رہتا ہے اس سے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر (اب تم ہی بتاؤ) کیا یہ برابر ہیں۔ الحمد للہ! (حقیقت حال واضح ہو گئی) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ (اس حقیقت) کو نہیں جانتے۔"

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ضلالت و گمراہی پر متنبہ کیا ہے، اور یہ اپنے

ماقبل سمیت ان نعمتوں کے ذکر کو شامل ہے جو الله تعالیٰ نے ان پر فرمائی ہیں اور ان کے معبودوں میں سے کسی کے اس کی مثل نہ ہونے کو شامل ہے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا یعنی ایک مثال اور تشبیہ بیان فرمائی۔ پھر اس کا ذکر کیا اور فرمایا: عَبْدًا مَّمْلُوْكًا یعنی جس طرح تمہارے نزدیک عبد مملوک جو اپنے معاملات میں سے کسی شے پر قدرت نہ رکھتا ہو اور وہ آزاد آدمی جسے رزق حسن دیا گیا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ پس اسی طرح میں اور یہ بت برابر نہیں ہو سکتے۔ پس وہ جو اس آیت میں مثال ہے وہ ایسا غلام ہے جو اس صفت کے ساتھ متصف ہو کہ وہ کسی کی ملکیت میں ہو مال میں سے کسی شے پر قدرت نہ رکھتا ہو اور نہ اپنے ذاتی معاملات پر قدرت رکھتا ہو، اور وہ صرف اور صرف اپنے آقا کے ارادہ کے تابع اور مطیع ہو۔ اور اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارے کے سارے غلام اسی صفت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں، کیونکہ کلام مثبت میں نکرہ اہل زبان کے نزدیک عموم کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، بلکہ یہ مفرد کا فائدہ دیتا ہے، اور جب یہ امر یا نہی کے بعد یا مصدر کی طرف مضاف ہو کر واقع ہو تو یہ اس عموم کا فائدہ دیتا ہے جو تمام کو شامل ہوتا ہے؛ جیسا کہ یہ قول: أعتق رجلا، لا تُهِن رجلا، اور مصدر کی مثال اعتاق رقبة، پس جس آدمی کو بھی اس نے آزاد کر دیا تو وہ خطاب (حکم) کی ذمہ داری سے نکل جائے گا۔ اور اس سے استثنا صحیح ہوگی۔ اور حضرت قتادہ نے کہا ہے: یہ مثال مومن اور کافر کی ہے؛ قتادہ اس طرف جاتے ہیں کہ عبد مملوک سے مراد کافر ہے، کیونکہ آخرت میں وہ اپنی عبادت سے کسی شے کا نفع حاصل نہیں کر سکے گا، اور وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا سے مراد مومن ہے۔ یہی موقف جمہور اہل علم وتاویل کا ہے۔ اصم نے کہا ہے: عبد مملوک سے مراد وہ ہے جو بسا اوقات اپنے آقا سے جثہ اور قوت کے اعتبار سے طاقتور اور چہرے کے اعتبار سے زیادہ حسین اور روشن ہوتا ہے، حالانکہ وہ اپنے آقا کے سامنے ذلیل اور مطیع ہوتا ہے وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا سوائے اس کے جس کے بارے آقا اسے اجازت دے، پس الله تعالیٰ نے مثال بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے۔ پس جب یہ حالت تمہاری اور تمہارے غلاموں کی ہے تو پھر تم کیسے پتھروں اور بے جانوں کو خلق اور عبادت میں الله تعالیٰ کا شریک بناتے ہو، حالانکہ نہ وہ عقل اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور نہ وہ سنتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ مسلمانوں نے اس آیت سے اور اس سے جو اس سے پہلے ہے یہ سمجھا ہے کہ غلام رتبہ ملکیت میں آزاد آدمی سے کم ہے اور یہ کہ وہ کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اگرچہ اس کی ملکیت میں کوئی شے ہو۔ اہل عراق نے کہا ہے: غلامی ملکیت کے منافی ہوتی ہے، پس وہ یقیناً کسی حال میں کسی شے کا مالک نہیں ہو سکتا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نیا قول یہی ہے، اور یہی حسن اور ابن سیرین نے کہا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے: وہ مالک ہوتا ہے مگر اس کی ملکیت ناقص ہوتی ہے، کیونکہ اس کے آقا کو اختیار ہے کہ وہ جس وقت چاہے اس سے چھین لے، اور یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین کا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قدیم قول میں یہی کہا ہے۔ اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے، اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا ہے: اس پر اموال کی عبادت یعنی زکوٰۃ اور کفارات وغیرہ واجب نہیں ہوتے، اور نہ ہی عبادت بدنیہ میں سے وہ واجب ہوتی ہیں جو آقا کی خدمت میں رکاوٹ اور مانع ہوں مثلاً حج اور جہاد وغیرہ۔ اور اس مسئلہ کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اس کا آقا اسے کسی کنیز کا مالک بنائے تو اس کے لئے ملک یمین کے طور پر اس سے وطی کرنا جائز ہوگا، اور اگر وہ اسے چالیس بکریوں کا مالک بنا دے اور ان پر سال

گزر جائے تو ان کی زکوٰۃ نہ آقا پر واجب ہوگی کیونکہ وہ اس کے غیر کی ملکیت ہیں، اور نہ اس غلام پر واجب ہوگی کیونکہ اس کی ملکیت مستقل نہیں ہے۔ اور عراقی کہتا ہے: اس کے لئے کنیز سے وطی کرنا جائز نہیں ہوگا، اور نصاب میں زکوٰۃ آقا پر پہلے کی طرح واجب ہوگی۔ اور اس مسئلہ میں فریقین کے دلائل مختلف کتب میں موجود ہیں۔ اور ہمارے لئے سب سے بڑی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ (الروم:40) (اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا۔) پس اللہ تعالیٰ نے رزق اور خلق میں غلام اور آزاد کو برابر قرار دیا ہے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''جس نے غلام آزاد کیا درآنحالیکہ اس کا مال ہو(1)۔'' پس اس میں آپ نے مال کی اضافت اس کی طرف کی ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے غلام کو دیکھتے تھے کہ وہ اپنے مال میں سخاوت کا اظہار کر رہا ہے تو آپ اس پر کوئی عیب وغیرہ نہیں لگاتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں کہ وہ اسے ملک یمین کے طور پر واپس لے آئے، تو یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ (غلام) اس چیز کا مالک ہوتا ہے جو اس کے قبضے میں ہوتی ہے اور اس میں وہ ایسا تصرف کر سکتا ہے جیسا مالک اپنی مملوکہ شے میں تصرف کر سکتا ہے جب تک اس کا آقا اس سے چھین نہ لے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3۔ بعض علماء نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ غلام کی طلاق اس کے آقا کے اختیار میں ہے، اور اس پر کہ لونڈی کو بیچنا اس کی طلاق ہے اور اس میں اس قول باری تعالیٰ میں تعویل کی گئی ہے: لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ فرمایا: پس اس کا ظاہر تو یہ فائدہ دیتا ہے کہ وہ بالکل کسی شے پر قدرت نہیں رکھتا، نہ ملکیت پر اور نہ اس کے سوا کسی اور پر پس یہ ارشاد اپنے عموم پر ہے، مگر دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے اور اس بارے میں ہم نے جو کچھ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ذکر کیا ہے وہ تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابو منصور نے عقیدہ (کتاب کا نام) میں کہا ہے: الرزق یہ وہ ہے جس سے غذا حاصل ہو۔ اور یہ آیت اس تخصیص کو رد کرتی ہے اور اسی طرح یہ قول باری تعالیٰ بھی ہے: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرہ) (اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں) اور اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ:254) (اور خرچ کرلو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا۔) علاوہ ازیں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے رکھ دیا گیا ہے(2)''۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: ''میری امت کے رزق اس کے گھوڑوں کے اطراف اور اس کے نیزوں کے پھلوں میں ہیں۔'' پس غنیمت ساری کی ساری رزق ہے، اور ہر وہ شے جس سے نفع حاصل کرنا صحیح ہو وہی رزق ہے۔ اور اس کے کئی مراتب ہیں: ان میں سے اعلیٰ مرتبہ اس کا ہے جس کو غذا بنایا جاتا ہے۔ تحقیق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفع اٹھانے کی وجوہ کو اپنے اس ارشاد میں محصور کر دیا ہے: ''انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ تیرے لئے تیرے مال سے اس کے سوا نہیں ہے جو تو نے کھالیا اور اسے فنا کر دیا یا تو نے پہن لیا اور اسے بوسیدہ کر دیا یا تو نے صدقہ کر دیا اور اسے آگے بھیج دیا۔'' یقول ابن آدم مالی مالی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، من اعتق عبداً ولہ مال، جلد 2، صفحہ 196

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی الرماح، جلد 1، صفحہ 408

وھل لك من مالك إلا ما أكلت فأفنيت أو لبست فأبليت أو تصدقت فأمضيت (1)، اور لباس کے معنی میں سوار ہونا وغیرہ داخل ہے۔ اور محدثین کی زبان میں سماع رزق ہے، اور وہ اس حدیث کا سننا مراد لیتے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ قولہ تعالیٰ: وَمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا اس سے مراد مومن ہے، جو اپنی ذات اور مال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے۔ اور کافر نے جب اطاعت میں کچھ خرچ نہیں کیا تو وہ اس غلام کی طرح ہو گیا جو کسی شے کا مالک نہیں ہوتا هَلْ يَسْتَوٗنَ یعنی وہ برابر نہیں ہو سکتے، اور یہاں مَنْ کے محل کی وجہ سے یستویان نہیں کہا کیونکہ یہ مبہم اسم ہے جو واحد، تثنیہ، جمع اور مذکر و مونث کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک عَبْدًا مَّمْلُوْكًا اور وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ دونوں سے مراد ان کی جنس عام لی گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی وہی حمد کا مستحق ہے نہ کہ وہ جن کی وہ اس کے سوا عبادت کرتے ہیں، کیونکہ بتوں کا ان پر کوئی احسان اور نیکی نہیں ہے کہ اس پر ان کی تعریف کی جائے۔ بلاشبہ کامل تعریف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، کیونکہ وہی نعمتیں عطا فرمانے والا اور خالق ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ یعنی اکثر مشرک لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے کہ حمد اور تعریف میرے لئے ہے، اور تمام نعمتیں میری طرف سے ہی ہیں۔ ذکر اکثر کا کیا ہے حالانکہ مراد تمام ہیں، پس یہ وہ خاص ہے جس سے عموم مراد لیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بلکہ مخلوق میں سے اکثر نہیں جانتے، اور یہ اس لئے ہے کہ ان میں سے اکثر مشرک ہی ہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

''اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال، دو آدمی ہیں ان میں سے ایک تو گونگا ہے کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر جہاں کہیں وہ اس (نکمے) کو بھیجتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا کسی بھلائی کے ساتھ، کیا برابر ہو سکتا ہے یہ (نکما) اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کے ساتھ اور وہ راہ راست پر گامزن ہے۔''

قولہ تعالیٰ: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ یہ دوسری مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور بتوں کے لئے بیان فرمائی ہے۔ پس اَبْكَمُ (گونگا) وہ جو کسی شے پر قادر نہ ہو وہ بت ہے۔ اور وہ جو عدل کے ساتھ حکم دیتا ہے (2) وہ اللہ تعالیٰ ہے؛ یہ حضرت قتادہ وغیرہ نے کہا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: أبکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، اور آپ اس پر اسلام پیش کرتے تھے اور وہ انکار کر دیتا تھا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عدل کے ساتھ حکم دیتے تھے، اور آپ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اور آپ کے آزاد کردہ غلام جو کہ کافر تھا اس کی مثال ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ أبکم سے مراد ابو جہل ہے، اور وہ جو عدل کے ساتھ حکم دیتا ہے وہ حضرت عمار بن یاسر عنسی رضی اللہ عنہ ہیں اور عنس (نون کے ساتھ) مذحج کا ایک چھوٹا سا قبیلہ تھا اور یہ ابو جہل کے قبیلہ بنی مخزوم کا حلیف تھا، اور ابو جہل انہیں اسلام قبول کرنے پر ستاتا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر، جلد 2، صفحہ 407
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 204

اور اذیتیں دیتا تھا اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی عذاب دیتا تھا، آپ ابو جہل کی کنیز تھیں، ایک دن اس نے آپ کو کہا: بلا شبہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایمان لائی ہے اس لئے کہ تو انہیں ان کے حسن و جمال کی وجہ سے پسند کرتی ہے، پھر اس نے آپ کی شرمگاہ میں نیزہ مارا اور آپ شہید ہو گئیں، اور آپ ہی پہلی شہیدہ ہیں جنہوں نے حالت اسلام میں جام شہادت نوش کیا، یہ نقاش وغیرہ کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اور عنقریب آیۃ الاکراہ میں اس کا مفصل بیان آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور حضرت عطا نے کہا ہے: أبکم ابی بن خلف ہے، وہ کبھی خیر اور بھلائی کی گفتگو نہ کرتا تھا۔ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ یعنی وہ اپنی قوم پر بوجھ ہے کیونکہ وہ انہیں اذیت پہنچاتا تھا اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ستاتا تھا۔ اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ آیت ہشام بن عمرو بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی، وہ کافر تھا اس میں خیر اور بھلائی بہت کم تھی اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک أبکم سے مراد کافر ہے، اور وہ جو عدل کے ساتھ حکم دیتا ہے وہ مومن ہے یہ جملہ کے بدلے ہے (یعنی جملہ کفار کے مقابلے میں جملہ مومن ہیں)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ حسن ہے کیونکہ یہ عام ہے۔ اور أبکم وہ ہوتا ہے جو بول نہ سکتا ہو (گونگا)، اور یہ بھی کہا گیا ہے: جو عقل نہ رکھتا ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: جو نہ سنتا ہو اور نہ دیکھتا ہو۔ اور تفسیر میں ہے کہ یہاں أبکم سے مراد بت ہے۔ اور یہ بیان کیا کہ اس کے پاس نہ قدرت ہے اور نہ اس کا کوئی حکم ہے، اور یہ کہ کوئی دوسرا اسے منتقل کرتا ہے اور دوسرا ہی اسے تراشتا ہے۔ پس وہ اس پر بوجھ ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ حکم دینے والا ہے، اور ہر شے پر غالب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ یعنی وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر اور اپنے قرابتداروں پر اور وبال ہے اپنے صاحب (ساتھی) پر اور اپنے چچا کے بیٹے پر۔ اور یتیم کو بھی کَلّ کا نام دیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اس پر ثقیل اور بھاری ہوتا ہے جو اس کا کفیل ہوتا ہے۔

اور اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

أكولٌ لمالِ الكَلِّ قبل شبابه　　　إذا كان عظم الكَلِّ غيرَ شديد(1)

اور کَلٌّ وہ بھی ہوتا ہے جس کا نہ بیٹا ہو اور نہ اس کا والد ہو۔ اور کَلّ کا معنی عیال بھی ہے، اور اس کی جمع کلول آتی ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے: كَلَّ السكينُ يكِلُّ كَلاًّ یعنی چھری کی دھار موٹی ہو گئی پس وہ نہیں کاٹتی۔ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ جمہور نے۔ يُوَجِّهْهُ پڑھا ہے۔ اور یہی خط مصحف ہے، یعنی جہاں بھی اس کا مالک اسے بھیجتا ہے وہ خیر اور بھلائی کے ساتھ واپس نہیں آتا، کیونکہ نہ وہ جانتا ہے اور نہ اسے سمجھتا ہے جو اس کو کہا جاتا ہے اور نہ اس سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور یحییٰ بن وثاب نے فعل مجہول کی بنا پر أينما يُوجَّهْ پڑھا ہے۔ [اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے] اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تَوَجَّهْ صیغہ خطاب پر بھی مروی ہے۔ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی کیا یہ أبکم (گونگا) اور وہ جو عدل کے ساتھ حکم دیتا ہے اور راہ راست پر ہے یہ برابر ہو سکتے ہیں؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 411

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۷۷﴾

''اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو، اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔''

قولہ تعالیٰ: وَ لِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ متصل ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿﴾ (النحل)

یعنی اس نے تحلیل (حلال قرار دینا) و تحریم (حرام قرار دینا) کا قانون بنایا اور بلاشبہ اسے اچھا وہ بنا سکتا ہے جو ان کے انجام اور مصالح کا علم رکھتا ہو اور انہیں محیط ہو، اور تم اے مشرکو! تم تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتے تو پھر تم فیصلے کیونکر کر سکتے ہو۔ وَ مَاۤ اَمۡرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اور تمہیں اس (قیامت کے دن) میں اپنے اعمال کے بدلے جزا دی جائے گی۔ اور الساعۃ سے مراد وہ وقت ہے جس میں قیامت قائم ہوگی، اس کا نام ساعۃ رکھا گیا ہے کیونکہ اس ساعۃ میں لوگ گھبرا جائیں گے اور ساری مخلوق ایک چیخ کے ساتھ مر جائے گی۔ اور اللَّمۡح کا معنی ہے تیزی اور سرعت کے ساتھ دیکھنا، کہا جاتا ہے: لَمَحَہٗ لَمۡحًا و لَمَحَانًا۔ اور تاویل کی وجہ یہ ہے کہ قیامت جب یقیناً آنے والی ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اسے آنکھ جھپکنے کی مثل قریب قرار دیا جائے۔ اور زجاج نے کہا ہے: یہ ارادہ نہیں کیا کہ قیامت آنکھ جھپکنے میں آئے گی، بلکہ اسے لانے پر قدرت کی تیزی اور سرعت کو بیان کیا ہے، یعنی وہ کسی شے کو کہتا ہے کن (تو ہو جا) تو وہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آنکھ جھپکنے کے ساتھ تشبیہ اور مثال بیان کی ہے کیونکہ یہ آسمان پر ظاہر ہوگا اس کے باوجود کہ اس پر زمین سے کوئی دوری نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ قریب ہونے کی تمثیل ہے، جیسا کہ کہنے والا کہتا ہے: ما السنۃ الا لحظۃ، و شبھہ (سال نہیں ہے مگر ایک لحظہ یا اس کے مشابہ) اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس طرح ہوگی نہ کہ مخلوق کے نزدیک، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: اِنَّہُمۡ یَرَوۡنَہٗ بَعِیۡدًا ۙ﴿۶﴾ وَّ نَرٰىہُ قَرِیۡبًا ؕ﴿۷﴾ (المعارج) (کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں) اَوۡ ہُوَ اَقۡرَبُ (یا اس سے بھی جلد) اس میں اَوۡ شک کے لئے نہیں تمثیل کے لئے ہے یعنی مثل دونوں میں سے جس قسم کا بھی ارادہ کرے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ مخاطب کے شک کے لئے داخل ہوا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ اَوۡ بمنزلہ بل کے ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

وَ اللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ۙ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل، تاکہ تم (ان بیش بہا نعمتوں پر) شکر ادا کرو۔''

قولہ تعالیٰ: وَ اللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا بیان فرمایا کہ اس کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا اس حال میں کہ تم بچے تھے اور تمہیں کسی شے کا بھی علم نہ تھا۔ اور اس میں تین اقوال

ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے..... تم اس میں سے کچھ نہیں جانتے تھے جو اس نے تم سے وعدہ لیا درآنحالیکہ تم ابھی اپنے باپوں کی صلبوں میں تھے۔ دوسرا قول یہ ہے..... تم اس میں سے کچھ نہ جانتے تھے جو اس نے تمہارے بارے میں سعادت وشقاوت کا فیصلہ کیا ہے۔اور تیسرا قول یہ ہے..... تم اپنے منافع میں سے کچھ نہ جانتے تھے؛ کلام مکمل ہوگئی، پھر نئے سرے سے آغاز کیا اور فرمایا: وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ یعنی یہ وہ ہیں جن کے ساتھ علم حاصل کرتے ہو اور ادراک کرتے ہو۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے بندوں کیلئے انہیں پیٹوں سے نکالنے سے پہلے بنادیا اور بلاشبہ انہیں علم وادراک شکموں سے نکالنے کے بعد عطا فرمایا) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کان بنائے تاکہ تم ان کے ساتھ امر ونہی کو سنو، اور آنکھیں بنائیں تاکہ تم ان کے ساتھ اس کی صنعت وکاریگری کے آثار دیکھو، اور دل بنائے تاکہ تم ان کے ساتھ اس کی معرفت اور پہچان حاصل کرسکو۔ وَالْاَفْـِٕدَةَ یہ الفؤاد کی جمع ہے جیسے غراب کی جمع أغربة ہے۔اور قول باری تعالیٰ: وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ کے ضمن میں قوت گویائی کے اثبات کا قول بھی کیا گیا ہے کیونکہ جو سن نہیں سکتا وہ کلام بھی نہیں کرسکتا، اور جب سننے کا حاسہ پایا گیا تو نطق اور کلام بھی پائی گئی۔ اور اعمش، ابن وثاب، اور حمزہ نے یہاں سورۃ النور، الزمر اور النجم میں ہمزہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ اُمَّهٰتِكُمْ پڑھا ہے۔ اور رہے کسائی! تو انہوں نے ہمزہ کو کسرہ اور میم کو فتحہ دیا ہے اور بلاشبہ یہ (ہمزہ کا کسرہ ماقبل کی) اتباع کی وجہ سے ہے۔ اور باقیوں نے اصل پر رکھتے ہوئے ہمزہ کو ضمہ اور میم کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔اور أمهات کی اصل أمات ہے، پھر ھا بطور تاکید زیادہ کردی گئی جیسا کہ انہوں نے أهرقت الماء میں ھا کو زیادہ کیا ہے حالانکہ یہ اصل میں أرقت ہے۔اور یہ بحث سورۃ الفاتحہ میں گزر چکی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اس میں دو تاویلیں ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے۔تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔اور دوسری یہ ہے ..... مراد یہ ہے کہ تم اس کی صنعت وکاریگری کے آثار دیکھو کیونکہ انہیں دیکھنا شکر تک پہنچادیتا ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

"کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا پرندوں کی طرف کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں فضاء آسمانی میں، کوئی چیز انہیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے، بے شک اس میں (کھلی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں۔"

قولہ تعالیٰ: اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ یحییٰ بن وثاب، اعمش، ابن عامر، حمزہ اور یعقوب نے تَرَوْا تا کے ساتھ صیغہ خطاب کے ساتھ پڑھا ہے، اور ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے۔اور باقیوں نے خبر کے طور پر یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ مُسَخَّرٰتٍ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطیع وفرمانبردار بن کر؛ یہ کلبی نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مُسَخَّرٰتٍ کا مفہوم ہے تمہارے منافع کے لئے مطیع وفرمانبردار بن کر (اڑ رہے ہیں)۔ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ، الجو سے مراد وہ فضا ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ہے اور فضا کی اضافت آسمان کی طرف کی اس لئے کہ وہ زمین سے بلند ہے۔اور قول باری تعالیٰ: مُسَخَّرٰتٍ میں مسخر پر دلیل ہے جس نے انہیں مطیع وفرمانبردار بنایا ہے اور مدبر پر دلیل ہے جس نے انہیں تصرف کی قدرت

دی ہے۔ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ یعنی پروں کو بند کرنے، انہیں کھولنے اور صف بندی کی حالت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے انہیں کوئی چیز تھامے ہوئے نہیں ہے۔ ان کے لئے واضح فرمادیا کہ وہ ان (پرندوں) سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کیسا خوبصورت استدلال کر سکتے ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ بے شک اس میں علامات، سامان عبرت اور کھلے دلائل ہیں۔ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس دین کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں جسے لے کر اس کے رسل علیہم السلام تشریف لائے۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

”اور اللہ تعالیٰ نے ہی (اپنے فضل و کرم سے) بنا دیا ہے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو آرام و سکون کی جگہ اور بنائے ہیں تمہارے لئے جانوروں کے چمڑوں سے گھر (یعنی خیمے) جنہیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو سفر کے دن اور اقامت کے دن۔ اور (اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقررہ تک۔“

اس میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: جَعَلَ لَكُمْ اس کا معنی صیر ہے۔ اور ہر وہ شے جو تجھ پر بلند ہو اور تجھے سایہ کرے تو وہ سقف (چھت) اور سماء ہے، اور ہر وہ شے جو تیرے نیچے ہو وہ ارض (زمین) ہے، اور ہر وہ جو تجھے چاروں جہتوں سے ڈھانپ لے وہ دیوار ہے۔ اور جب یہ باہم منظم ہو جائیں اور آپس میں مل جائیں تو وہ بیت (گھر، کمرہ) کہلاتا ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شمار ہے جو لوگوں پر گھروں میں ہیں، پس پہلے شہری گھروں کا ذکر کیا اور یہ وہ ہیں جو طویل اقامت کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اور قولہ تعالیٰ: سَكَنًا یعنی تم ان میں سکونت اختیار کرتے ہو اور تمہارے اعضائے بدن حرکت سے راحت و سکون پاتے ہیں، اور کبھی ان میں متحرک و مضطرب رہتے ہیں اور ان سے باہر سکون پاتے ہیں، مگر قول کا اطلاق غالب صورت حال پر ہے۔ اور اسے بھی جملہ نعمتوں میں ہی شمار کیا ہے کیونکہ اگر وہ چاہتا تو بندے کو ایسی حالت میں پیدا کرتا کہ وہ ہمیشہ مضطرب اور متحرک رہتا جیسا کہ افلاک تو وہ یقیناً ایسا ہی ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ تخلیق فرماتا اور چاہتا، اور اگر وہ اسے ساکن پیدا کرتا جیسا کہ زمین تو وہ یقیناً ایسا ہی ہوتا جیسے وہ پیدا کرتا اور ارادہ فرماتا، لیکن اس نے اس کی تخلیق اس انداز سے فرمائی ہے کہ یہ دونوں اعتبار سے تصرف کر سکتا ہے، اور اس کی حالت دونوں حالتوں کے درمیان بدلتی رہتی ہے، اور یہ اسے جس حال اور کیفیت پر اور جہاں چاہے لوٹا سکتا ہے۔ اور السَّکَنُ مصدر ہے اس کے ساتھ واحد اور جمع کی صفت لگائی جا سکتی ہے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان گھروں کا ذکر فرمایا جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ پس فرمایا: وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یعنی چمڑوں سے اس نے تمہارے لئے گھر بنائے ہیں۔ بُيُوْتًا گھروں سے مراد خیمے اور قبے وغیرہ ہیں جنہیں اٹھانا دوران سفر تم پر آسان اور ہلکا ہوتا ہے۔ يَوْمَ

ظَعۡنِكُمۡ۔ الظَّعۡنُ سے مراد گھاس کی تلاش میں جنگل کی طرف چلنا اور بادیہ نشین کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔

اسی معنی میں عنترہ کا قول ہے:

ظَعَنَ الذین فِراقَهم أتوَقَّعُ وجری بینهم الغراب الابقعُ

اور الظعن کا معنی ہودج بھی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

ألاهل هاجك الأظعان إذ بانوا وإذا جاءت یوشك البین غربان

اور اسے عین کے سکون اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے جیسا کہ الشَّعۡر اور الشَّعَر۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ یہ چمڑے، بالوں اور صوف کے خیموں سبھی کو شامل ہو، کیونکہ یہ سب جانوروں کی جلد اور کھال سے ہیں، کیونکہ بال اور اون اسی کھال میں ہی ثابت ہوتے ہیں؛ اس طرف ابن سلام گئے ہیں۔ اور یہ بہت اچھا احتمال ہے، اور قول باری تعالیٰ: وَ مِنۡ اَصۡوَافِهَا ابتدائے کلام ہو، گویا کہ یہ فرمایا اس نے أثاث (ساز و سامان) بنایا مراد لباس اور بستر وغیرہ ہیں۔

جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

أهاجتك الظعائن یوم بانوا بذی الزِّیّ الجمیل من الأثاث(1)

اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ قول باری تعالیٰ: مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ سے مراد صرف چمڑے کے گھر (خیمے) ہوں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اور اس کا قول: وَ مِنۡ اَصۡوَافِهَا کا اس کے قول مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ پر عطف ہو، یعنی اس نے صوف کے بھی گھر (خیمے) بنائے۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ وہ امر اور شے ہے جو ان علاقوں میں عام اور پھیلا ہوا تھا، اور ہمارے شہر اس سے دور ہیں، پس ہمارے پاس خیمے صرف کتان اور صوف کے بنائے جاتے ہیں، اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ بھی چمڑے کا تھا۔ اور تیرے لئے طائف کا چمڑا قیمت میں مہنگا ہونے، بناوٹ میں اعلیٰ ہونے اور دکھائی دینے میں حسین ہونے کے اعتبار سے کافی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خوشحالی اور دولتمندی شمار کیا ہے اور نہ اس میں اسراف اور فضول خرچی دیکھی ہے، کیونکہ یہ ان میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں سے شمار کیا ہے اور اس سے استفادہ کی اجازت دی ہے، اور اس کی منفعت کی وجوہ مثلاً اس میں (چیزوں کو) چھپانا اور ان سے سایہ حاصل کرنا وہ ہیں جن سے جنس انسان نکلنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور جو عادت جاریہ ہے اس میں سے عجیب یہ ہے کہ میں نے بعض مصنوعی غافل زاہدوں کی بعض محدثین کے ساتھ مل کر ملاقات کی۔ پس ہم کتان کے خیمے میں اس کے پاس گئے تو میرے محدث ساتھی نے اسے پیشکش کی کہ وہ اسے اٹھا کر بطور مہمان اس کے گھر آ جائے، اور کہا: بے شک یہ ایسی جگہ ہے جہاں گرمی زیادہ پڑتی ہے اور گھر آپ کے لئے آرام دہ ہوگا اور میرا دل بھی آپ کے بارے میں مطمئن اور خوش ہوگا۔ تو اس نے جواب دیا: ہمارے لیے یہ خیمہ بہت ہے، اور ہماری صنف میں بے وقعت چیز کو اپنایا جاتا ہے۔ تو میں نے کہا: ایسا نہیں جیسا تم نے گمان کیا ہے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طائف کے چمڑے کا خیمہ تھا حالانکہ زہاد کے رئیس اور سرخیل تھے آپ سفر میں اسے ساتھ رکھتے تھے اور

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 412

اس سے سایہ حاصل کرتے تھے، پس وہ مبہوت ہو گیا، اور میں نے اسے اپنے مقام پر عاجز اور تھکا ہوا دیکھا تو میں نے اسے اپنے ساتھی سمیت چھوڑ دیا اور اس سے نکل گیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَا اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھیڑوں کی صوف، اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ اس نے ہڈیوں میں اجازت عطا کی ہے، اور یہ ان کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا ہے، اور روئی اور کتان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ بلاد عرب میں وہ اس کے مخاطب نہیں ہو سکتے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کو شمار کیا جن کے ساتھ ان پر انعام فرمایا، اور انہیں چیزوں میں انہیں مخاطب بنایا گیا جنہیں وہ اپنی فہم وفراست کے ساتھ پہنچانتے تھے، لیکن جو چیز بھی ان کے قائم مقام اور ان کی نائب ہوگی پس وہ استعمال اور نعمت میں ان کے محل میں داخل ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ (النور:43) (اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے۔)

پس انہیں بَرَد (اولے) کے ساتھ خطاب کیا کیونکہ وہ انہیں اپنے پاس کثرت سے نازل ہونے کے سبب پہچانتے تھے، اور ثلج (برف) کے ذکر سے سکوت اختیار فرمایا، کیونکہ یہ ان کے شہروں اور علاقوں میں نہ تھی، حالانکہ یہ بھی اپنے وصف اور منفعت میں اس (بَرَد) کی مثل ہے، حالانکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کے بیان میں آلہ تطہیر کے طور پر ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ فرمایا ہے: اللهم اغلسنی بماء و ثلج و بَرَد(1) (اے اللہ! مجھے پانی، برف، اور اولوں کے ساتھ طہارت عطا کر دے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: الثلج (برف) سفید رنگ کی شے ہے جو آسمان سے اترتی ہے اور میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک روئی اور کتان کے ذکر کو چھوڑنا بلاشبہ یہ خوشحالی اور دولتمندی کے اظہار سے اعراض ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے صالح اور نیک بندوں کا لباس صوف (اون) ہے اور یہ محل نظر ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ (الاعراف:26) (اے اولاد آدم! بے شک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو) اس کا بیان سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ اور وہاں فرمایا: جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ اور لفظ سرابیل میں روئی اور کتان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اَثَاثًا خلیل نے کہا ہے: مراد وہ ساز و سامان ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملا ہوا ہو، یہ أَثَّ سے ماخوذ ہے جبکہ وہ زیادہ اور کثیر ہو۔

شاعر نے کہا:

وَ فَرْعٍ يَزِيْنُ الْمَتْنَ أَسْوَدَ فَاحِمٍ		أَثِيْثٍ كَقِنْوِ النخلة المتعثكلِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَثَاثًا سے مراد کپڑے ہیں۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ آیت اس معنی کو متضمن ہے کہ صوف، اون اور بالوں سے ہر حال میں نفع حاصل کرنا جائز ہے اسی لئے ہمارے اصحاب نے کہا ہے: مردار کی صوف اور اس کے بال پاک ہیں ان سے ہر حال میں نفع اٹھانا جائز ہے۔ اور اس خوف سے اسے دھو ڈالا جائے گا کہ اس کے ساتھ کوئی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من المأثم والمغرم، جلد 2، صفحہ 942

میل کچیل یا گندگی وغیرہ لگی ہوئی ہو۔ اور اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردار کی کھال کے استعمال میں کوئی حرج نہیں جب اس کی دباغت کر دی جائے اور اس کی اون اور اس کے بالوں میں کوئی حرج نہیں جب انہیں دھوڑالا جائے (1)''۔ کیونکہ یہ ان میں سے ہیں جن میں موت داخل نہیں ہوتی، برابر ہے کہ وہ ان جانوروں کے بال ہوں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے یا ان کے جن کا نہیں کھایا جاتا، جیسا کہ انسان اور خنزیر کے بال، کیونکہ یہ سب طاہر اور پاک ہیں؛ یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، لیکن انہوں نے ہم سے یہ زائد بیان کیا ہے کہ سینگ، دانت اور ہڈیاں یہ بالوں کی مثل ہیں؛ فرمایا: چونکہ یہ تمام اشیاء وہ ہیں جن میں روح نہیں ہوتی اس لئے حیوان کی موت کے سبب وہ نجس اور پلید نہیں ہوتیں۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، لیث بن سعد اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: بے شک بال سارے کے سارے نجس اور پلید ہیں لیکن یہ دھونے کے ساتھ پاک ہو جاتے ہیں۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایتیں ہیں: (۱) یہ پاک ہیں موت کے سبب پلید نہیں ہوتے۔ (۲) نجس اور ناپاک ہوتے ہیں۔ (۳) انسان اور دوسروں کے بالوں میں فرق ہے، پس انسان کے بال پاک ہیں اور اس کے سوا دوسروں کے بال ناپاک ہیں۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَمِنْ اَصْوَافِهَا الآیہ کا عام ہونا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ ہمارے لئے ان سے انتفاع کو جائز قرار دیا ہے، اور مردار کے بالوں کو ذبح شدہ جانور کے بالوں سے خاص نہیں کیا ہے، پس یہ حکم عام ہی رہے گا مگر یہ کہ کوئی دلیل اس سے مانع ہو۔ اور یہ بھی کہ اصل یہ ہے کہ موت سے پہلے بالاجماع یہ پاک ہیں، پس جس کا گمان یہ ہے کہ یہ (موت کے ساتھ) نجاست کی طرف منتقل ہو گئے ہیں تو دلیل اسی پر ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ قولہ تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدہ: 3) (تم پر مردار حرام کیا گیا ہے) پورے بدن سے عبارت ہے۔ تو ہم کہیں گے: ہم اسے ان دلائل کے ساتھ خاص کرتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں، کیونکہ یہ توصوف کے ذکر میں بطور نص ہے اور تمہاری بیان کردہ آیت میں اس کا ذکر صراحۃً موجود نہیں ہے، پس ہماری دلیل اولیٰ اور ارجح ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اور شیخ الامام ابواسحاق امام الشافعیہ بغداد نے اس پر یہ تعویل کی ہے کہ پیدائشی طور پر بال حیوان کا جزء متصل ہے، پس وہ اس کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتے ہیں اور دیگر تمام اجزاء کی طرح اس کی موت کے ساتھ وہ بھی نجس اور پلید ہوتے ہیں (2)۔ تو جواب یہ دیا گیا ہے: بے شک بڑھنا اور نمو پانا یہ حیات پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ نباتات بڑھتی ہیں لیکن وہ زندہ نہیں۔ جب انہوں نے متصل نشوونما پر محمول کرتے ہوئے ان کی زندگی پر استدلال کیا ہے تو ہم نے انہیں ان کی علیحدگی اور جدائی پر محمول کیا ہے تو انہیں اکھیڑنا اس عدم احساس پر دلالت کرتا ہے جو حیات نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور رہا وہ جو احناف نے ذکر کیا ہے کہ ہڈیاں، دانت اور سینگ بالوں کی مثل ہیں، تو ہمارے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ وہ گوشت کی طرح نجس ہیں۔ اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مثل کہا ہے۔ اور ہمارے لئے ایک تیسرا قول بھی ہے کیا سینگوں اور کھروں کی اطراف (کنارے) ان کی جڑوں کے ساتھ یا بالوں کے ساتھ ملائی جائیں گی؟ تو اس بارے میں بھی دو قول ہیں۔ اور اسی

1۔ سنن دارقطنی، باب الدباغ، جلد 1، صفحہ 47، حدیث 19	2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1170

طرح پروں کے بال ان کا حکم بالوں کے حکم کی مثل ہے، ان کی ہڈیوں کا حکم اس کے حکم کی مثل ہے۔ اور ہماری دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے: ''تم مردار کی کسی شے سے نفع حاصل نہ کرو(1)''۔ اور یہ اس بارے میں اور اس کے ہر جز کے بارے میں عام ہے، سوائے اس کے جس پر دلیل قائم ہو جائے) اور اس پر دلیل قاطع اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۝ (یٰسین) ([گستاخ] کہتا ہے اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں) اور مزید فرمایا: وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا (البقرہ: 259) (اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انہیں۔) اور فرمایا: فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (المومنون: 14) (پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت) اور مزید فرمایا: ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً۝ (النازعات) ([یعنی] جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے) پس اصل یہ ہڈیاں ہی ہیں، اور ان میں روح اور حیات اسی طرح ہیں جس طرح گوشت اور جلد میں ہیں۔ اور عبداللہ بن عکیم کی حدیث میں ہے: ''تم مردار کی کھال سے نفع نہ اٹھاؤ اور نہ اس کے پٹھوں سے(2)''۔ اور اگر کہا جائے: تحقیق صحیح روایت میں ثابت ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بکری کے بارے فرمایا: ''کیا تم نے اس کی جلد سے نفع حاصل نہیں کیا؟'' تو صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ؟ بلاشبہ وہ تو مردار ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ اسے کھانا حرام ہے(3)''۔ اور ہڈی کھائی نہیں جاتی۔ تو ہم کہیں گے: ہڈی کھائی جاتی ہے، بالخصوص دودھ پینے والے بکری کے بچے، ایک سال کے بکری کے بچے، اور پرندوں کی ہڈیاں، اور بڑوں کی ہڈی کو بھونا جاتا ہے اور کھایا جاتا ہے۔ اور جو کچھ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا وہ سب ہڈیوں میں حیات کے پائے جانے پر دلالت کرتا ہے، اور جو شے حیات کے سبب پاک ہو اور ذبح کرنے کے سبب وہ مباح سمجھی جاتی ہو تو موت کے سبب وہ نجس اور پلید ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 4۔ قولہ تعالیٰ: مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ یہ زندہ اور مردہ کی جلد کے بارے میں عام ہے، پس مردار کے چمڑے سے نفع حاصل کرنا جائز ہے اگرچہ اس کی دباغت نہ بھی کی جائے۔ اور یہی ابن شہاب زہری اور لیث بن سعد نے کہا ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ہم نے لیث کے سوا فقہاء میں سے کسی کو نہیں پایا جس نے مردار کی کھال کو دباغت سے قبل بیچنا جائز قرار دیا ہو۔ ابو عمر نے کہا ہے: فقہاء سے مراد تابعین کے بعد امصار کے ائمہ فتویٰ ہیں، اور رہے ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ زہری تو یہ ان سے صحیح ہے، اور یہ وہ قول ہے جس کا جمہور اہل علم نے انکار کیا ہے۔ اور دونوں سے اس قول کے خلاف بھی مروی ہے، اور پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں کہ دار قطنی نے اپنی سنن میں یحییٰ بن ایوب کی حدیث یونس سے اور عقیل کی زہری سے، بقیہ کی حدیث زبیدی سے، محمد بن کثیر عبدی اور ابو سلمہ منقری کی حدیث سلیمان بن کثیر سے اور انہوں نے زہری سے بیان کی ہیں،

1۔ جامع ترمذی، کتاب اللباس، ما جاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت، جلد 1، صفحہ 206　2۔ ایضاً

ایضاً، سنن ابی داؤد، باب من روی ان لا ینتفع باھاب المیتۃ، حدیث نمبر 3598۔ ایضاً، سنن ابن ماجہ، باب من قال لا ینتفع من المیتۃ، حدیث نمبر 3602، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الطھارۃ جلود المیتۃ بالدباغ، جلد 1، صفحہ 158

اوران کے آخر میں کہا: یہ اسانید صحاح ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ مردار کی جلد کی جب دباغت کر دی جائے تو علماء کے مابین اختلاف ہے کیا وہ پاک ہو گی یا نہیں؟ ابن عبدالحکم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو ذکر کیا ہے وہ ابن شہاب کے مذہب کے ساتھ اس میں مشابہت رکھتا ہے۔ اسے ابن خویز منداد نے اپنی کتاب میں ابن عبدالحکم سے بھی ذکر کیا ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: اور یہی زہری اور لیث کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مذہب وہ ہے جو ابن عبدالحکم نے ذکر کیا ہے، اور وہ یہ کہ دباغت مردار کی کھال کو پاک نہیں کرتی لیکن خشک اشیاء میں اس سے نفع اٹھانا مباح ہوتا ہے، اور اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی اور نہ اس میں ڈال کر کوئی چیز کھائی جائے گی، اور ''مدونہ'' میں ابن قاسم نے کہا ہے: جس نے مردار کی غیر مدبوغ کھال غصب کی پھر اس نے اسے ضائع کر دیا تو اس پر اس کی قیمت ہو گی۔ اور انہوں نے یہ بیان کیا کہ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور ابوالفرج نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جس نے کسی آدمی کے مردار کی غیر مدبوغ کھال غصب کر لی تو اس پر کوئی شی نہ ہو گی۔ اسماعیل نے کہا ہے: مگر یہ کہ وہ مجوسی کا ہو۔ اور ابن وہب اور ابن عبدالحکم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اس کی بیع جائز ہے، اور یہ ہر مردار کی جلد کے بارے میں ہے سوائے اکیلے خنزیر کے، کیونکہ ذبح کرنا اس میں کوئی عمل نہیں کرتا، تو پھر دباغت بدرجہ اولیٰ عمل نہیں کرے گی۔ ابو عمر نے کہا ہے: ہر وہ جلد جس کو ذبح کیا جائے اس کا استعمال وضو اور اس کے سوا کے لئے جائز ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دباغت کے بعد مردار کی کھال سے بنے ہوئے برتن میں وضو کرنا مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں ان کا قول مختلف ہے، اور ایک بار انہوں نے کہا: بے شک انہوں نے اسے مکروہ نہیں قرار دیا مگر صرف اپنے حق میں۔ اور اس پر نماز پڑھنا اور اس کو فروخت کرنا مکروہ ہے، اور آپ کے اصحاب کی ایک جماعت نے اس میں آپ کی اتباع کی ہے۔ اور رہے اکثر اہل مدینہ! تو وہ اس کی اباحت کے قائل ہیں اور اس کی اجازت دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس چمڑے کو بھی رنگ دیا گیا تو وہ پاک ہو جائے گا۔'' اکثر اہل حجاز اور عراق کے اہل فقہ وحدیث اسی مذہب پر ہیں اور یہی ابن وہب کی پسند ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مردار کی کھال سے کسی شی میں انتفاع جائز نہیں ہے اگرچہ اس کی دباغت کی جائے، کیونکہ وہ مردار کے گوشت کی مانند ہے اور وہ روایات جو دباغت کے بعد نفع حاصل کرنے کے متعلق ہیں وہ آپ کے اس قول کو رد کرتی ہیں۔ اور انہوں نے عبداللہ بن عکیم کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا: ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط پڑھا گیا جو ارض جہینہ کے بارے تھا اور میں جوان بچہ تھا: ''خبردار! تم مردار کے چمڑے سے نفع نہ اٹھاؤ اور نہ پٹھوں سے (1)''۔ اور ایک روایت میں ہے: یہ آپ کے وصال سے ایک مہینہ پہلے کا ہے۔ اسے قاسم بن مخیمرہ نے عبداللہ بن عکیم سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں ہمارے مشائخ نے بیان کیا کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف لکھا..... داؤد بن علی نے کہا ہے: میں نے یحییٰ بن معین سے اس

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، من روی ان لاینتفع باھاب المیتۃ، جلد 2، صفحہ 213

حدیث کے بارے پوچھا تو انہوں نے اسے ضعیف قرار دیا اور کہا: لیس بشیٔ (یہ کوئی شی نہیں) بلاشبہ وہ کہتے ہیں اشیاخ نے مجھے بتایا، ابو عمر نے کہا ہے: اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو پھر یہ احتمال ہے کہ یہ ان احادیث کے مخالف ہو جو حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہیں، کیونکہ یہ جائز ہے کہ ابن عکیم کی حدیث کا معنی یہ ہو "کہ تم مردار کے چمڑے سے دباغت سے پہلے نفع نہ اٹھاؤ" اور جب یہ احتمال ہے کہ یہ مخالف نہیں تو پھر ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم اسے مخالف بنائیں، اور ہم پر لازم ہے کہ ہم دونوں خبروں کے مطابق عمل کریں جہاں تک ممکن ہو، اور عبداللہ بن عکیم کی حدیث اگرچہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک مہینہ قبل کی ہے جیسا کہ خبر میں موجود ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا قصہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سماع "کہ جس چمڑے کو رنگ دیا جائے وہ پاک ہو گیا(1)" آپ کے وصال سے ایک ہفتہ یا اس سے بھی کم وقت پہلے ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 7۔ ہمارے نزدیک مشہور یہ ہے کہ خنزیر کی جلد اس حدیث میں داخل نہیں اور نہ عموم اسے شامل ہے، اور اسی طرح کتا بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور امام اوزاعی اور ابو ثور کے نزدیک یہ ہے کہ دباغت کے ساتھ صرف ان جانوروں کی جلد پاک ہوتی ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور معن بن عیسیٰ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے خنزیر کی جلد کے بارے میں پوچھا گیا جب اس کی دباغت کر لی جائے تو انہوں نے اسے مکروہ قرار دیا۔ ابن وضاح نے کہا ہے: میں نے سحنون کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح محمد بن عبدالحکم اور داؤد بن علی اور ان کے اصحاب نے کہا ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: "جو چمڑا بھی رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے(2)"۔ ابو عمر نے کہا ہے: یہ ارشاد احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے اس قول سے بالعموم وہ چمڑے مراد لئے ہوں جن سے نفع حاصل کرنا معہود اور مروج ہے، تو جہاں تک خنزیر کا تعلق ہے تو وہ اس معنی میں داخل نہیں کیونکہ اس کی جلد سے انتفاع معہود نہیں، کیونکہ اس میں ذبح کرنا بھی کوئی عمل نہیں کرتا۔ اور دوسری دلیل وہ ہے جو نضر بن شمیل نے بیان کی ہے: بے شک اہاب (چمڑا) کا اطلاق گائے، بکری اور اونٹ کی جلد پر ہوتا ہے اور ان کے سوا جو بھی ہیں ان کی کھال کو جلد کہا جاتا ہے نہ کہ اہاب۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: کتے اور ان جانوروں کی جلد جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس سے انتفاع بھی غیر معہود ہے لہٰذا وہ پاک نہ ہو گی۔ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "درندوں میں ذی ناب کو کھانا حرام ہے(3)"۔ پس ان کو ذبح کرنا بھی ذبح کرنا نہیں ہے (یعنی یہ ان میں کوئی اثر نہیں کرتا) جیسا کہ خنزیر میں ذبح کرنا کوئی اثر نہیں کرتا۔ اور نسائی نے حضرت مقدام بن معدیکرب سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم، سونے اور جلدوں کو زینوں پر اور کجاوں میں بچھانے سے منع فرمایا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب اللباس، ما جاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت، جلد 1، صفحہ 206　2۔ ایضاً

ایضاً سنن ابی داؤد، باب من روی ان لا ینتفع باھاب المیتۃ، حدیث نمبر 3599، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ مؤطا امام مالک، کتاب الصید، تحریم اکل کل ذی ناب، صفحہ 492

مسئلہ نمبر 8۔ فقہاء نے اس دباغت میں اختلاف کیا ہے جس کے ساتھ مردار کی کھالیں پاک ہو جاتی ہیں کہ وہ کیا ہے؟ پس اصحاب مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور یہی آپ کا مشہور مذہب ہے ہر وہ شے جس سے جلد کی دباغت کردی جائے مثلاً نمک، بیری کے پتے، یا پھٹکڑی کی مثل نمک یا علاوہ ازیں کوئی شے تو اس سے انتفاع جائز ہے، اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب نے بھی کہا ہے، اور یہی داؤد کا قول ہے۔ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں: ان میں سے ایک تو یہی ہے، اور دوسرا قول یہ ہے: پھٹکڑی کی مثل نمک اور بیری کے پتوں کے سوا کوئی شے اسے پاک نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ دباغت حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معہود تھی، اور اسی کو خطابی نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم وہ روایت جسے نسائی نے حضرت میمونہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ قریش کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے وہ گھوڑے کی مثل اپنی ایک بکری کھینچ کر لے جا رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''کاش تم اس کا چمڑا اتار لیتے''۔ انہوں نے عرض کی: یہ مردار ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانی اور بیری کے پتے اسے پاک کر دیتے ہیں (1)''۔

مسئلہ نمبر 9۔ قولہ تعالیٰ: اَثَاثًا، أثاث سے مراد گھر کا ساز و سامان ہے، اس کا واحد أثاثة ہے؛ یہ ابوزید انصاری کا قول ہے۔ اموی نے کہا ہے: الاثاث گھر کا ساز و سامان ہے، اور اس کی جمع آثّة اور أثُث ہے۔ اور ان کے سوا دوسروں نے کہا: الاثاث سے مراد تمام قسموں کا مال ہے اور اس کے لفظوں میں اس کی کوئی واحد نہیں ہے۔ اور خلیل نے کہا ہے: اس کا اصل معنی کثرت ہے اور سامان میں سے بعض کا بعض کے ساتھ جمع ہونا ہے یہاں تک کہ وہ کثیر ہو جائے، اور اسی سے شعر أثیث ہے بمعنی کثیر۔ اور اثّ شعرُ فلانٍ یأثُّ اَثًّا جب بال زیادہ ہوں اور گھنے ہوں۔

امرؤالقیس نے کہا ہے:

وفرعٍ یزینُ المتن أسود فاحم أثیث كقنوِ النخلة المتعثكل

اور یہ بھی کہا گیا ہے: الاثاث وہ ہوتا ہے جو پہنا جاتا ہے اور بچھایا جاتا ہے۔ اور قد تأثثت جب تو اثاث بنا لے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اَثَاثًا بمعنی مال ہے۔ اور الحین کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے، اور یہاں اس سے مراد ہر انسان کے اعتبار سے غیر معین وقت ہے یا تو اس کی موت کے اعتبار سے اور یا ان اشیاء کے مفقود ہونے کے اعتبار سے جو اثاث ہیں۔

اور اسی لفظ کے بارے میں شاعر کا قول ہے:

أهاجتك الظعائن یوم بانوا بذی الزّیّ الجمیل من الاثاث (2)

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝۸۱

''اور اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں تمہارے (آرام) کے لئے ان چیزوں کے سائے جن کو اس نے پیدا فرمایا اور

1۔ سنن أبی داود، کتاب اللباس، باب فی اهاب المیتة، جلد 2، صفحہ 213

2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 412

اس نے بنائی ہیں تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں اور اسی نے بنائے ہیں تمہارے لئے ایسے لباس جو بچاتے ہیں تمہیں گرمی سے اور (کچھ ایسے آہنی) لباس جو بچاتے ہیں تمہیں لڑائی کے وقت، اسی طرح وہ پورا فرماتا ہے اپنا احسان تم پر تا کہ تم سر اطاعت خم کر دو۔"

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: ظِلٰلًا الظلال: اس سے مراد ہر وہ شے ہے جس سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے چاہے وہ گھر ہوں یا درخت ہوں۔ اور قول باری تعالیٰ: مِّمَّا خَلَقَ سایہ کرنے والے جمیع اشخاص کو عام ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: اَكْنَانًا الاکنان کِنّ کی جمع ہے، مراد وہ جگہ ہے جو بارش اور ہوا وغیرہ سے حفاظت کرتی ہے، اور یہاں مراد وہ غاریں ہیں جو پہاڑوں میں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں مخلوق کے لئے تیار بنایا ہے وہ ان میں پناہ لے سکتے ہیں، وہ انہیں اپنی حفاظت کا قلعہ بنا سکتے ہیں اور ان میں مخلوق سے علیحدگی اور تنہائی اختیار کر سکتے ہیں۔ اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں غار حرا میں جا کر عبادت کرتے تھے اور کئی کئی راتیں اس میں قیام پذیر رہتے تھے ...... الحدیث۔ اور صحیح بخاری میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر اپنی قوم سے تعلق توڑتے ہوئے اور اپنے دین کو دور تک پہنچانے کے لئے اپنے ساتھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں نکلے یہاں تک کہ دونوں جبل ثور کی غار تک پہنچ گئے، اور تین راتیں اس میں روپوش رہے ان دونوں کے پاس رات کے وقت حضرت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما حاضر ہوا کرتے تھے آپ جوان آدمی تھے انتہائی تیز فہم اور سنی ہوئی بات کو فوراً یاد کر لینے والے تھے اور آپ ان کے پاس سے سحری کے وقت واپس چلے جاتے اور صبح مکہ مکرمہ میں قریش کے ساتھ کرتے گویا رات وہیں تھے اور جو بات بھی سنتے جس میں ان دونوں کے بارے ناپسندیدہ بات کی جاتی آپ اسے ضرور اپنے پاس محفوظ کر لیتے یہاں تک کہ ان کے پاس اس وقت اس کی خبر لے کر آتے جب اندھیرا چھا جاتا، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ ریوڑ میں سے دودھ والی بکری چراتا رہتا تھا اور شام کے وقت اسے ان کے پاس لے آتا تھا جبکہ عشاء (شام) کا کچھ وقت گزر جاتا پس یہ دونوں ہستیاں بڑے سکون اور وقار سے رات گزارتے اور وہ دونوں کو بکریوں کا دودھ پیش کرتا اور وہ گرم پتھر کے ساتھ گرم کیا ہوتا تھا یہاں تک کہ پھر تاریکی میں ہی عامر بن فہیرہ انہیں لے کر وہاں سے چلا جاتا، اور تین راتوں میں سے ہر رات وہ اسی طرح کا عمل کرتا رہا...... آگے حدیث ذکر کی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ مراد قمیصیں اور کرتے ہیں، اور سرابیل کی واحد سربال ہے۔ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ اس میں مراد وہ زرہیں ہیں جو لوگوں کو جنگ میں محفوظ رکھتی ہیں۔

اور اسی سے کعب بن زہیر کا قول ہے:

شُمُّ العَرانِينِ أبطالٌ لَبُوسُهُمُ   من نَسجِ داودَ في الهيجا سَرابِيلُ

مسئلہ نمبر 4۔ اگر کوئی کہنے والا کہے: کیسے فرمایا: وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا اور اس کے ساتھ میدان کا ذکر نہیں

کیا، اور فرمایا: تَقِيۡكُمُ الۡحَرَّ اور اس کے ساتھ برد (سردی) کا ذکر نہیں کیا؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ لوگ پہاڑوں میں رہنے والے تھے اور ان کے پاس میدان نہ تھے، وہ گرمی میں رہنے والے تھے ان کے ہاں سردی نہ تھی، اس لئے ان کے لئے اس نعمت کا ذکر فرمایا جو ان کے ساتھ خاص تھی جیسا کہ انہیں صوف وغیرہ کے ذکر کے ساتھ خاص کیا، اور روئی، کتان اور برف وغیرہ کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کے علاقوں اور شہروں میں نہیں تھیں؛ اس کا یہ معنی عطا خراسانی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہ ان میں سے ایک شے کا ذکر دوسری پر دلالت کرتا ہے۔

اور اسی سے شاعر کا قول بھی ہے:

وما أدری اذا یممت أرضا أرید الخیر أیهما یلینی

أألخیر الذی أنا أبتغیه أم الشر الذی هو یبتغینی (1)

مسئلہ نمبر 5۔ علماء نے کہا ہے: قول باری تعالیٰ: وَسَرَابِيۡلَ تَقِيۡكُمۡ بَاۡسَكُمۡ میں اس پر دلیل موجود ہے کہ بندوں کو سامان جہاد تیار رکھنا چاہئے تاکہ وہ اس کے ساتھ دشمن کے ساتھ قتال میں مدد لے سکیں، تحقیق حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخموں سے بچنے کے لئے زرہ وغیرہ پہنتے تھے اگرچہ آپ شہادت کے طالب تھے، بندے پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس طرح شہادت کا طالب ہو کہ اپنے آپ کو موت، نیزوں کے پھلوں اور تلواروں کی ضربوں کے لئے جھکا دے، بلکہ وہ آلات جنگ پہنے تاکہ وہ اسے اپنے دشمن کے ساتھ لڑنے اور جنگ کرنے کی قوت اور طاقت دیں، اور وہ قتال کرے اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند و بالا ہو، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا۔

مسئلہ نمبر 6۔ قولہ تعالیٰ: كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ابن محیصن اور حمید نے دو تاؤں کے ساتھ تَتِمُّ اور نِعۡمَتُهٗ کو مرفوع پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ فاعل ہے۔ اور باقیوں نے يُتِمُّ یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جو اس نعمت کو مکمل کرتا ہے۔ اور تُسۡلِمُوۡنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ تَسۡلَمُوۡنَ تا اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، یعنی تم زخموں سے محفوظ رہتے ہو، اور اس کی اسناد ضعیف ہے؛ اسے عباد بن عوام نے حنظلہ سے انہوں نے شہر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور باقی تا کو ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور اس کا معنی ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالاتے ہوئے اس کی معرفت اور طاعت کے لئے سر تسلیم خم کر دو اور مطیع و فرمانبردار ہو جاؤ۔ ابو عبید نے کہا ہے: قرأت عامہ ہی پسندیدہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو ہم پر اسلام کا انعام فرمایا وہ اس سے کہیں افضل ہے جس کے ساتھ اس نے زخموں سے سلامتی عطا فرمائی۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۸۲﴾

"اے محبوب! اگر (ان روشن دلائل کے باوجود) وہ منہ پھیریں تو (فکر مند نہ ہو) آپ کے ذمہ تو صرف وضاحت سے پیغام پہنچانا ہے"۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1171

قولہ تعالیٰ: فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی اگر وہ منہ پھیر لیں اس نظر و استدلال اور ایمان سے۔ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ یعنی آپ پر تو فقط تبلیغ کرنا، پیغام پہنچانا ہے، اور رہی ہدایت تو وہ ہمارے ذمہ ہے۔

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

''وہ پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو (اس کے باوجود) وہ انکار کرتے ہیں اس کا اور ان میں سے اکثر لوگ کافر ہیں''۔

قولہ تعالیٰ: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ سدی نے کہا ہے: مراد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں(1)، یعنی وہ آپ کی نبوت کو پہچانتے ہیں۔ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا اور آپ کو جھٹلاتے ہیں۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: مراد وہ نعمتیں ہیں جو اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر شمار کی ہیں، یعنی وہ پہچانتے ہیں کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور وہ ان کا انکار اپنے اس قول کے ساتھ کرتے ہیں کہ وہ ان کے اپنے آباء و اجداد کی جانب سے وارث بنے ہیں۔ اور اسی کی مثل حضرت قتادہ نے کہا ہے۔ اور عون بن عبد اللہ نے کہا ہے: یہ کسی آدمی کا یہ قول ہے اگر فلاں نہ ہوتا تو اس طرح ہوتا، اور اگر فلاں نہ ہوتا تو میں اس مصیبت میں نہ پڑتا، حالانکہ وہ یہ پہچانتے ہیں کہ نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان تمام نعمتوں کے بارے پہچان کرائی تو انہوں نے انہیں پہچان لیا، اور کہا: ہاں، یہ تمام کی تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، لیکن یہ ہمارے معبودوں کی سفارش و شفاعت کے ساتھ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں ان سے بہرہ اندوز ہونے کے سبب، اور ان پر شکر ادا نہ کر کے ان کا انکار کرتے ہیں۔ اور چھٹا احتمال یہ ہے...... کہ وہ انہیں شدت اور تنگی کی حالت میں پہچانتے ہیں اور پھر خوشحالی اور راحت کی حالت میں ان کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور ساتواں احتمال یہ ہے...... وہ انہیں اپنے اقوال کے ساتھ پہچانتے ہیں لیکن اپنے افعال و اعمال کے ساتھ ان کا انکار کرتے ہیں۔ اور آٹھواں احتمال یہ ہے...... وہ انہیں اپنے دلوں سے تو پہچانتے ہیں اور اپنی زبانوں کے ساتھ ان کا انکار کرتے ہیں: اس کی نظیر یہ آیت ہے: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ (النمل: 14) (اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے) وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ مراد یہ ہے کہ وہ تمام کے تمام کافر ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

وَ یَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

''اور قیامت کے دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ تب ان لوگوں کو اجازت نہیں ہو گی جنہوں نے کفر کیا اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا''۔

قولہ تعالیٰ: وَ یَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا اس کی نظیر یہ آیت ہے: فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ (النساء: 41) اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا یعنی انہیں عذر پیش کرنے اور کوئی کلام کرنے کے بارے میں اجازت نہیں دی جائے گی، جیسا کہ یہ ارشاد گرامی ہے: وَ لَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ (المرسلات)

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 189

اور یہ اس وقت ہوگا جب ان پر جہنم بند کردی جائے گی، جیسا کہ سورۃ الحجر کے شروع میں گزر چکا ہے اور آگے بھی آرہا ہے۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ یعنی نہ ان کی رضامندی کا مطالبہ کیا جائیگا، مراد یہ ہے کہ انہیں اس کا مکلف اور پابند نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے رب کو راضی کریں؛ کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے اور نہ انہیں دنیا کی طرف رجوع کے لئے چھوڑا جائے گا کہ وہ توبہ کرلیں۔ یہ کلمہ دراصل العتب سے ماخوذ ہے اس کا معنی ناراضگی اور خفگی کا اظہار کرنا ہے، کہا جاتا ہے: عَتَبَ عَلَيه يعتب جب وہ اس پر ناراضگی اور عتاب کا اظہار کرے۔ اور جب وہ اس سے مذاکرہ کرے اس کے بارے جس کی وجہ سے اس نے اس پر عتاب کیا تو اس کے لئے کہا جاتا ہے: عاتبہ، اور جب وہ تجھے خوش کرنے اور راضی کرنے کی طرف لوٹ آئے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے: أَعْتَبَ، اور اس کا اسم العُتبى ہے اور اس سے مراد معتوب علیہ کا اس کی طرف رجوع کرنا ہے کہ وہ عتاب کرنے والے کو راضی اور خوش کر سکے؛ یہ ہروی نے کہا ہے۔

اور نابغہ نے کہا ہے:

فإن كنتُ مظلوما فعبدا ظلمتَه وإن كنتَ ذا عُتْبَى فمثلُكَ يُعتبُ

وَ إِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

"اور جب دیکھ لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا عذاب (آخرت کو) تو اس وقت وہ عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں (مزید) مہلت دی جائے گی۔"

قولہ تعالیٰ: وَ إِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا اور جب دیکھ لیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا الْعَذَابَ یعنی جہنم کا عذاب اس میں داخل ہونے کے سبب۔ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ یعنی انہیں کوئی مہلت نہیں دی جائے گی، کیونکہ وہاں ان کے لئے کوئی توبہ نہ ہوگی۔

وَ إِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۣ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

"اور جب دیکھیں گے مشرک اپنے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں کو تو بول اٹھیں گے: اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے بنائے ہوئے شریک جنہیں ہم پوجا کرتے تھے تجھے چھوڑ کر، تو وہ شریک انہیں جواب دیں گے یقیناً تم جھوٹ بول رہے ہو۔ وہ پیش کردیں گے بارگاہ الٰہی میں اس دن اپنی عاجزی اور فراموش ہو جائیں گے انہیں وہ بہتان جو وہ باندھا کرتے تھے۔"

قولہ تعالیٰ: وَ إِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ اس میں شرکاء سے مراد ان کے لکڑی اور پتھر کے وہ بت ہیں جن کی وہ پوجا کرتے رہے ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے معبودوں کو اٹھائے گا کہ وہ ان کی اتباع کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ پھر انہیں جہنم میں ڈال دے گا۔ اور صحیح مسلم میں ہے: "جو کسی شے کی پرستش کرتا رہا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کے پیچھے اور

اس کی اتباع میں ہو جائے پس سورج کی پوجا کرنے والے سورج کے پیچھے ہو جائیں گے، چاند کی پرستش کرنے والے اس کے پیچھے ہو جائیں گے اور جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ ان کے پیچھے ہو جائیں گے۔'' الحدیث۔ انہوں نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے، اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے، اس میں ہے: ''پس صلیب والوں کے لئے اس کی صلیب کی تمثیل اور تصاویر والوں کے لئے اس کی تصاویر کی تمثیل اور آگ والوں کے لیے اس کی آگ کی مثل بنائی جائے گی پس وہ اس شے کی اتباع کریں گے جس کی وہ پرستش اور پوجا کرتے رہے (1)''۔ اور آگے حدیث ذکر کی۔ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ یعنی یہ وہ ہیں جنہیں ہم نے تیرا شریک بنا رکھا تھا۔ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ یعنی وہ معبودان باطلہ یہ قول انہیں پر ڈال دیں گے، یعنی جنہوں نے ان کی پوجا کی انہیں جھٹلاتے ہوئے وہ بول اٹھیں گے کہ وہ معبود اور الہ نہیں تھے اور نہ انہوں نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا، پس اللہ تعالیٰ بتوں کو قوت گویائی عطا فرمائے گا تاکہ اس وقت کافروں کی ذلت و رسوائی کا خوب اظہار ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کی وہ پوجا کرتے رہے۔ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ ِالسَّلَمَ یعنی مشرکین اس دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عاجزی پیش کر دیں گے، یعنی اس کے عذاب کی وجہ سے تابعدار ہو جائیں گے اور اس کے غلبے کی وجہ سے خضوع اور عاجزی اختیار کر لیں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: عابد و معبود دونوں تابعداری اختیار کر لیں گے اور اپنے بارے میں اس کے حکم کی پیروی و اطاعت کریں گے۔ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ یعنی ان سے وہ سب زائل ہو جائے گا جو شیطان نے ان کے لئے آراستہ و مزین کیا تھا اور وہ جو اپنے معبودان باطلہ کی شفاعت کے آرزومند اور امیدوار رہتے تھے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

''جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر اس وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے''۔

قولہ تعالیٰ: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: وہ بچھو ہیں جن کی داڑھیں کھجور کے درخت کی طرح طویل ہوں گی (2)، اور سانپ ہیں جو اونٹ کی گردن کی مثل ہوں گے، اور اژدھا ہیں گویا کہ وہ لمبی گردن والے اونٹ ہیں وہ انہیں ماریں گے (اور ان پر مسلط ہوں گے) پس یہی زیادتی ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے انہیں آگ سے زمہریر کی طرف نکالا جائے گا پس وہ اس کی سخت اور شدید سردی اور ٹھنڈک کی وجہ سے آگ کی طرف بھاگیں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے ہم نے ان کی قیادت کرنے والوں پر ان کی اتباع کرنے والوں کی نسبت عذاب بڑھا دیا، پس دو عذابوں میں سے ایک ان کے کفر کی وجہ سے ہوگا اور دوسرا عذاب ان کے لئے دوسروں کو روکنے کی وجہ سے ہوگا۔ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ اس وجہ سے کہ وہ دنیا میں کفر اور معصیت کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ما جاء فی خلود الجنۃ واھل النار، جلد 2، صفحہ 79

ایضاً، باب ما جاء فی خلود اھل الجنۃ الخ، حدیث نمبر 2480، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 1191

سب فساد برپا کرتے تھے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

''اور وہ دن (بڑا ہولناک ہوگا) جب ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ان پر انہیں میں سے اور ہم لے آئیں گے آپ کو بطور گواہ ان سب پر، اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کے لئے''۔

قولہ تعالیٰ: وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں، جو قیامت کے دن اپنی امتوں پر یہ شہادت دیں گے کہ بلاشبہ انہوں نے ان تک پیغام پہنچایا تھا اور انہیں ایمان کی طرف دعوت دی تھی، اور ہر زمانے میں گواہ اور شاہد موجود رہتا ہے اگرچہ وہ نبی نہ ہو۔ اور ان کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ وہ وہ ہدایت دینے والے اور راہنمائی کرنے والے ائمہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے خلفاء ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے ... کہ وہ وہ علماء ہیں جن کے ساتھ اللہ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی شریعت اور دین محفوظ فرما دیا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: پس اس بنا پر کوئی زمانہ فترت نہیں مگر اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل موجود رہے ہیں، جیسا قس بن ساعدہ، اور زید بن عمرو بن نفیل وہ ہے جس کے بارے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے الگ امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔'' سطیح اور ورقہ ابن نوفل وہ ہے جس کے بارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اسے جنت کی نہروں میں غوطہ زن ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔'' پس یہ لوگ اور جو ان کی مثل ہیں وہ اپنے اہل زمانہ پر حجت اور ان پر گواہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور قول باری تعالیٰ: وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ اس کا بیان سورۃ البقرہ اور النساء میں گزر چکا ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ اس کی نظیر یہ ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: 38) اس پر بحث گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس میں حلال وحرام کا تفصیلی بیان ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے اور سرکشی سے، اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے اسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر پڑھا تو وہ بہت متعجب ہوئے

اور کہا: اے آل غالب! آپ کی اتباع اور پیروی کرو کامیاب ہو جاؤ گے، فلاح پا جاؤ گے۔ قسم بخدا! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا ہے تا کہ آپ تمہیں مکارم اخلاق کے بارے حکم دیں (1)۔ اور حدیث میں ہے۔ بے شک حضرت ابو طالب کو جب یہ کہا گیا: بے شک آپ کے بھتیجے نے یہ گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ نازل کی ہے: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ الآیہ، تو انہوں نے کہا: تم میرے بھتیجے کی اتباع و پیروی کرو، قسم بخدا! وہ محاسن اخلاق کے بغیر کوئی حکم نہیں دیتا۔ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن مغیرہ پر یہ آیت آخر تک پڑھی اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ تو اس نے عرض کی: اے میرے بھتیجے! اسے دوبارہ پڑھو! پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت دوبارہ پڑھی تو اس نے کہا: قسم بخدا! بلاشبہ اس میں بڑی شیرینی اور حلاوت ہے، اور اس پر بڑا حسن و جمال اور رونق ہے۔ اور بے شک اس کی اصل (جڑ) پتے لانے والی ہے، اور اس کی بلندی (شاخیں) پھلوں سے لدی ہوئی ہیں، اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ واللہ إن له لحلاوة، وإن عليه لطلاوة، وإن أصله لمورق، وأعلاه لمثمر، وماهو بقول بشر! اور غزنوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی قاری تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں ابتدا میں اسلام نہیں لایا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء کرتے ہوئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو میرے دل میں ایمان راسخ اور پختہ ہو گیا۔ پھر میں نے اسے ولید بن مغیرہ پر پڑھا تو اس نے کہا: اے میرے بھتیجے! اسے دوبارہ پڑھ! تو میں نے اسے دوبارہ پڑھا تو اس نے کہا: قسم بخدا! اس میں بڑی حلاوت اور شیرینی ہے...... اور آگے پوری خبر بیان کی۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: قرآن کریم میں یہ آیت اس خیر اور بھلائی کو جس کی پیروی کی جاتی ہے، اور اس شر اور برائی کو جس سے اجتناب کیا جاتا ہے زیادہ جامع ہے (2)۔ اور نقاش نے بیان کیا ہے: کہا جاتا ہے عدل کی زکوٰۃ احسان ہے، اور قدرت کی زکوٰۃ عفو و درگزر ہے، اور غنی (دولتمندی) کی زکوٰۃ نیکی ہے اور جاہ و حشمت کی زکوٰۃ آدمی کا اپنے بھائیوں کی طرف کچھ لکھنا ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے عدل و احسان کی تاویل میں اختلاف کیا ہے، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: عدل سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا، اور احسان سے مراد فرائض کو ادا کرنا ہے (4)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدل سے مراد فرض، اور احسان سے مراد نفل ادا کرنا ہے۔ اور سفیان بن عیینہ نے کہا ہے: یہاں عدل سے مراد ظاہر اور باطن کو برابر رکھنا ہے، اور احسان یہ ہے کہ خلوت کی حالت اعلانیہ حالت سے افضل ہو۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: عدل سے مراد انصاف کرنا، اور احسان سے مراد تفضل اور مہربانی کرنا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: عدل سے مراد ہر وہ شے جو عقائد میں سے فرض ہے اور امانتیں ادا کرنے میں وہ دین اور شریعت ہے، اور ظلم کو ترک کرنا اور انصاف کرنا، اور حق ادا کرنا ہے۔ اور احسان سے مراد ہر وہ کام کرنا ہے جو اس کے لئے مندوب اور مستحب ہو، اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو فرض ہیں، مگر اس سے بدلہ دینے کی حد عدل میں داخل ہے، اور بدلے سے زائد کے ساتھ اس کی تکمیل کرنا احسان میں داخل ہے۔ اور رہا حضرت ابن عباس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 416　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1173
3۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 416　4۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 194

رضی اللہ عنہ کا قول تو وہ محل نظر ہے، کیونکہ فرائض کو ادا کرنا ہی اسلام ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبرائیل علیہ السلام میں اس کی تفسیر بیان فرمائی ہے، اور وہی عدل ہے، اور بلاشبہ احسان سے مراد مکمل کرنے والے اور کامل بنانے والے امور ہیں اور وہ مندوب اور مستحب ہیں جیسا کہ حدیث جبرائیل علیہ السلام میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر اسی کا تقاضا کرتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (احسان یہ ہے): اَنْ تعبد اللہ کانَّکَ تراہ فإن لم تکن تراہ فانہ یراک (1) (تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو بلاشبہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے) پس اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول صحیح ہے تو پھر آپ نے فرائض سے مراد مکمل کرنے والے امور لئے ہیں۔ اور علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: بندے اور اس کے رب کے درمیان عدل یہ ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے نفس کے حصے پر ترجیح دینا ہے، اور اس کی رضا کو اپنی خواہش پر مقدم کرنا ہے، اور نواہی سے اجتناب کرنا اور اوامر کی پیروی اور اتباع کرنا ہے۔ اور رہا عدل بندے اور اس کے نفس کے درمیان! تو یہ اسے ہر اس شی سے روکنا ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿ (النازعات)

اور اتباع سے خواہش و لالچ کو دور رکھنا ہے، اور ہر حال اور معنی میں قناعت کو لازم پکڑنا ہے۔ اور وہ عدل جو اس کے اور مخلوق کے درمیان ہے تو وہ انہیں نصیحت کرنا ہے، خیانت کو ترک کرنا ہے چیز کم ہو یا زیادہ، اور اپنی طرف سے ان کے ساتھ ہر اعتبار سے انصاف کرنا ہے اور تیری طرف سے کسی کے ساتھ برائی نہ ہو نہ قولاً نہ فعلاً اور نہ سراً نہ اعلانیہ طور پر، اور ان کی طرف سے جو مصیبت اور تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کرنا، اور اس میں کم سے کم انصاف کرنا ہے اور اذیت دینے کو چھوڑ دینا ہے (2)۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: عدل میں یہ تفصیل انتہائی اچھی اور عین عدل ہے، اور رہا احسان تو ہمارے علماء نے کہا ہے: الاحسان مصدر ہے أحسن یُحسِن إحساناً۔ اور اسے دو معنوں پر بولا جاتا ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ بذات خود متعدی ہے، جیسے تیرا یہ قول: أحسنتُ کذا، یعنی میں نے اسے اچھا کیا اور اسے مکمل کیا، اور یہ ہمزہ کے ساتھ حَسُنَ الشیٔ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ حرف جر کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے تیرا یہ قول: أحسنت إلی فلانٍ، یعنی میں نے اس تک وہ شے پہنچائی جس کے ساتھ وہ نفع حاصل کر سکتا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: یہ لفظ اس آیت میں ان دونوں معنوں کے ساتھ اکٹھا مراد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بعض کا بعض کے ساتھ احسان کرنا پسند فرماتا ہے، یہاں تک کہ پرندہ تیرے پنجرے میں ہو اور بلی تیرے گھر میں ہو تو تیرے احسان کے بارے یہ مناسب نہیں کہ تو اس کی دیکھ بھال اور حفاظت میں کوتاہی کرے، اور اللہ تعالیٰ تو ان کے احسان سے غنی اور بے نیاز ہے، اور اس کی طرف سے احسان، نعمتیں، فضل و مہربانی اور عنایتیں اور بخششیں ہیں۔ اور یہ حدیث جبرائیل میں پہلے معنی کے اعتبار سے ہے نہ کہ دوسرے معنی کے اعتبار سے، کیونکہ پہلا معنی عبادت کے اتقان، اور اسے ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرنے کی طرف راجع ہے جو اس عبادت کو صحیح بنانے والے اور مکمل کرنے والے ہیں، اور اس میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الایمان، جلد 1، صفحہ 27
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1172

حق کا مراقبہ کرنا، اور عبادت کے شروع اور پھر اسے جاری رکھنے کی حالت میں اس (حق) کی عظمت وجلال کے تصور کو قائم رکھنا ہے۔ اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے مراد ہے۔ أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فانه يراك (1) اور اصحاب دل کی اس مراقبہ میں دو حالتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ مشاہدہ حق اس پر غالب ہوتا ہے تو گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور شاید حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت کی طرف اپنے اس ارشاد سے اشارہ کیا ہے: ''اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے (2)''۔ اور دوسری حالت یہ ہے کہ وہ اس مقام تک نہیں پہنچتا، لیکن اس پر یہ تصور غالب ہوتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس پر مطلع ہے اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ اشارہ ہے: الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء) (جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں کا)۔ اور قول باری تعالیٰ: اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ (یونس: 61) (مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں)۔

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی مراد قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وہ (آدمی) انہیں مال دیتا ہے جیسے اس نے فرمایا: وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ (الاسراء: 26) (اور رشتہ دار کو اس کا حق یعنی صلہ ادا کرو) اور یہ واجب پر مندوب کے عطف کے باب سے ہے، اور اس سے امام شافعی نے مکاتب کو دینے کے وجوب کے بارے استدلال کیا ہے، جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا، اور اللہ تعالیٰ نے ذوی القربیٰ کو خاص کیا ہے کیونکہ ان کے حقوق زیادہ موکد اور ان کا صلہ نسبتاً زیادہ واجب ہے، اس رحم کے حق کی تاکید کی وجہ سے جس کا نام اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے، اور اس کا صلہ اپنے صلہ سے قرار دیا ہے، پس صحیح میں فرمایا: أَمَا تَرْضَيْنَ أن أصل من وَصَلَكِ وأقطع من قطعك (3) (کیا تم اس پر راضی نہیں کہ میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں جس نے تیرے ساتھ صلہ رحمی کی اور میں اس کے ساتھ قطع تعلقی کر لوں جس نے تیرے ساتھ قطع تعلقی کی) اور بالخصوص جب وہ فقراء ہوں۔

مسئلہ نمبر 4۔ قولہ تعالیٰ: وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ الفحشاء سے مراد فحش ہے، اور اس کا اطلاق ہر قبیح پر ہے چاہے وہ قول قبیح ہو یا فعل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد زنا ہے۔ اور المنکر سے مراد ہر وہ شے ہے جس کا شریعت نے اس سے منع کر کے انکار کیا ہو، اور یہ تمام گناہوں، رذائل اور مختلف انواع کی کمینی حرکات کو شامل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ اور البغی سے مراد تکبر، ظلم، کینہ اور تعدی اور زیادتی کرنا ہے۔ اور اس کا حقیقی معنی حد سے تجاوز کرنا ہے، اور یہ منکر کے تحت بھی داخل ہے، لیکن اس کے ضرر اور نقصان کے شدید ہونے کی وجہ سے خاص طور پر اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور حدیث طیبہ میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''بغاوت اور سرکشی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الایمان، جلد 1، صفحہ 27

2۔ سنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، جلد 2، صفحہ 93

3۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتها، جلد 2، صفحہ 315

سے بڑھ کر تیزی کے ساتھ سزا (اور عذاب) کو لانے والا کوئی گناہ نہیں"(1)۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: "باغی کو بچھاڑ دیا گیا ہے"(2)۔ (یعنی وہ ہلاک کر دیا گیا ہے) تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے جس کے خلاف بغاوت کی گئی اور بعض کتب منزلہ میں ہے: اگر کسی پہاڑ نے کسی پہاڑ کے خلاف بغاوت کی تو ان میں سے باغی کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 5۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی صحیح میں عنوان ذکر کیا اور فرمایا: باب قول اللہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝، اور قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ (یونس: 23) (تمہاری سرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔) ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ (الحج: 60) (پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا) وترک اثارۃ الشر علی مسلم أو کافر (مسلمان یا کافر پر شر بھڑکانے کو ترک کرنے کا بیان)۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی جو کہ حضور نبی مکرم ﷺ پر لبید بن اعصم کے جادو کرنے کے بارے میں ہے۔ ابن بطال نے کہا ہے: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات اور ترک اِثارۃ الشر علی مسلم أو کافر سے استدلال کیا ہے جیسا کہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس پر دال ہے اس حیثیت سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "خبردار آگاہ رہو اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرما دی ہے اور رہا میں تو یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں لوگوں میں شر کو جوش دلاؤں (اور اسے پھیلا دوں)"(3)۔

اور اس کی وجہ واللہ اعلم...... یہ ہے کہ انہوں نے قول باری تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ میں تاویل کی ہے کہ برائی کرنے والے کے ساتھ احسان (اور نیکی) کرنا اور اس کی برائی پر اس کی سزا کو چھوڑ دینا یہ مستحب ہے۔ پس اگر کہا جائے: بغی والی آیات میں تاویل کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ تو کہا جائے گا: اس کی وجہ ...واللہ اعلم...... یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آگاہ کر دیا کہ سرکشی اور بغاوت کا ضرر و نقصان باغی کی طرف پھر جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ (یونس: 23) اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد و نصرت کی ضمانت دی ہے جس کے خلاف بغاوت کی گئی ہے۔ تو پھر جس کے خلاف بغاوت کی گئی ہے اس کا بدرجہ اولیٰ یہ حق بنتا ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس کی مدد و نصرت کی ضمانت دی ہے تو اس کے مقابلے میں اس کی طرف سے عفو و درگزر ہے جس کے خلاف بغاوت کی گئی ہے، اور اسی طرح حضور نبی مکرم ﷺ نے اس یہودی کے ساتھ کیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا، حالانکہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کے لئے اس سے انتقام لینے کی اجازت تھی: وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل: 126) (اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے)۔ لیکن آپ ﷺ نے اس ارشاد کو لیتے ہوئے عفو و درگزر کو ترجیح دی: وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۝ (الشوریٰ) (اور جو شخص ان مظالم پر) صبر کرے اور (طاقت کے باوجود) معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 416　　2۔ ایضاً

3۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول اللہ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان، جلد 2، صفحہ 896

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو متضمن ہے، اور ان دونوں کے بارے میں کلام پہلے گزر چکی ہے۔ روایت ہے کہ ایک جماعت نے اپنے ایک عامل کی شکایت ابوجعفر منصور عباسی کے پاس پیش کی تو عامل نے اس جماعت کے ساتھ مباحثہ کیا اور وہ ان پر غالب آ گیا، اس طرح کہ وہ اس پر کوئی بڑا ظلم ثابت نہ کر سکے اور نہ کسی شے میں اس کی زیادتی ثابت کر سکے، تو اتنے میں قوم سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے امیر المومنین! بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے، اور بلاشبہ اس نے عدل کیا ہے اور احسان نہیں کیا۔ راوی نے کہا: پس ابوجعفر اس کی اصابت رائے سے بہت متعجب ہوا اور اس نے عامل کو معزول کر دیا۔

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۹۱

''اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ہے اور نہ توڑو (اپنی) قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ یہ لفظ عام ہے اور ان تمام عقدوں اور معاہدوں کو شامل ہے جو زبان کے ساتھ کئے جاتے ہیں اور آدمی اسے لازم کر لیتا ہے بیع ہو یا صلہ ہو یا ایسے امر کے بارے معاہدہ ہو جو دین کے موافق ہو۔ اور یہ آیت اس قول کو ضمن میں لینے والی ہے: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ کیونکہ اس کا معنی اس میں ہے: تم اس طرح کرو، اور اس سے باز رہو، پس اسی تقدیر پر اس کا عطف کیا گیا ہے۔ تحقیق یہ کہا گیا ہے: بے شک یہ آیت اسلام پر حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت لینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ اس حلف کے لازم ہونے کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو زمانہ جاہلیت میں وقوع پذیر ہوا اور پھر اسلام نے اسے پورا کرنے کے بارے حکم دیا؛ حضرت قتادہ، مجاہد اور ابن زید رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے۔ اور عموم ان تمام کو شامل ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اور صحیح میں حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں اور جو معاہدہ جاہلیت میں ہوا اسلام نے سوائے شدت اور سختی کے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا'' (1)۔ یعنی (وہ معاہدہ) حق کی مدد کرنے، حق کے ساتھ قائم ہونے اور باہمی غمخواری کرنے کے بارے ہو۔ اور یہ اسی طرح ہو جیسا کہ وہ حلف الفضول ہے جسے ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے انہوں نے بیان کیا: قریش کے قبائل عبداللہ بن جدعان کے شرف ونسب کی وجہ سے اس کے گھر میں جمع ہوئے اور انہوں نے اس پر باہمی ایک عقد اور معاہدہ کیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں کوئی مظلوم نہیں پائیں گے چاہے وہ مکہ کے رہنے والوں سے ہو یا کوئی اور مگر وہ اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ اس پر سے ظلم واپس لوٹا دیا جائے، اس معاہدہ کو قریش نے حلف الفضول کا نام دیا، یعنی حلف الفضائل۔ اور یہاں فضول فضل کی جمع کثرت ہے جیسا کہ فلس کی جمع فلوس ہے۔ ابن

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب مواخاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الصحابۃ، جلد 2، صفحہ 308

اسحاق نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں معاہدے کے وقت حاضر تھا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ دیئے جائیں اگر اسلام میں بھی مجھے اس کے بارے دعوت دی جائے تو میں یقیناً اسے قبول کروں گا۔'' اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ ولید بن عتبہ نے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر ان کے مال کے بارے میں زیادتی کی، اس لئے کہ ولید کی حکومت تھی اور وہ مدینہ طیبہ کا امیر تھا۔ تو حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں تو میرے حق کے بارے میں میرے ساتھ ضرور انصاف کرے گا یا پھر میں اپنی تلوار پکڑلوں گا اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں کھڑا ہو جاؤں گا پھر حلف الفضول کے بارے دعوت دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں حلف اٹھاتا ہوں قسم بخدا! اگر آپ نے ہمیں دعوت دی تو میں یقیناً اپنی تلوار اٹھاؤں گا پھر میں آپ کے ساتھ کھڑا ہوں گا یہاں تک کہ آپ کے حق کے بارے انصاف ہو یا ہم سارے کے سارے مر جائیں۔ اور یہ خبر مسور بن مخرمہ تک پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ اور یہ خبر عبدالرحمن بن عثمان بن عبیداللہ التیمی تک پہنچی تو اس نے بھی اسی طرح کہا۔ پس جب یہ خبر ولید کو پہنچی تو اس نے آپ کے ساتھ انصاف کیا۔ علماء نے کہا ہے: پس یہ وہی معاہدہ ہے جو دور جاہلیت میں ہوا تھا اور وہ وہی ہے جسے اسلام نے مزید مضبوط کیا اور حضور نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے قول لا حلف فی الاسلام کے عموم سے خاص کیا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شریعت کا حکم ظالم سے بچنے کے بارے ہے اور اس سے حق لینے کے بارے اور اسے مظلوم تک پہنچانے کے بارے میں ہے، اور اسے قانون شریعت کے ساتھ ایجاب عام کی صورت میں ہر اس آدمی پر واجب کیا ہے جو مکلفین میں سے قدرت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ظالموں پر راستہ اور اختیار دے دیا ہے۔ پس ارشاد فرمایا: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الشوریٰ) (بے شک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں زمین میں ناحق، یہی ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے)۔ اور صحیح میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''تو اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہو یا مظلوم۔'' صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ یہ تو معلوم ہے کہ ہم مظلوم کی مدد کر سکتے ہیں لیکن ہم ظالم کی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کے ہاتھ پکڑلو اور ایک روایت میں ہے: تم اسے ظلم سے روک دو .. پس یہی اس کی مدد و نصرت ہے۔'' اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد پہلے گزر چکا ہے: ''بے شک لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے دی جانے والی سزا (عذاب) میں انہیں بھی شامل کر لے۔'' إن الناس إذا رأوا الظالم ولم يأخذوا على يديه أوشك أن يعمهم الله بعقاب من عنده (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اپنی قسموں کو مضبوط اور مغلظ کرنے کے بعد نہ توڑو؛ کہا جاتا ہے: توکید وتاکید، وکد اور آکد اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا یعنی شہیدا۔ (حالانکہ تم نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کو گواہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی نزول العذاب إذا لم یغیر المنکر، جلد 2، صفحہ 39

بنالیا ہے)۔ اور کہا جاتا ہے: محافظ بنالیا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: ضامن بنالیا ہے۔ اور بے شک فرمایا: بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا تو یہ وہ قسم ہے جسے عزم وارادہ کے ساتھ موکد کیا گیا ہو اور یمین لغو کے درمیان فرق بیان کرنے کے لئے ہے۔ اور ابن وہب اور ابن القاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے: التوکید انسان کی وہ قسم جو ایک شے کے بارے میں بار بار ہو، وہ اس میں تین بار یا اس سے بھی زیادہ قسم کو دہراتا اور اس کا اعادہ کرتا ہے، جیسے اس کا یہ قول: واللہ لا أنقصه من کذا، (قسم بخدا! میں اسے اس سے کم نہیں کروں گا)، واللہ لا أنقصه من کذا، واللہ لا أنقصه من کذا۔ فرمایا: پس اس کا کفارہ کفارہ یمین کی مثل ایک ہی ہوگا۔ یحییٰ بن سعید نے کہا ہے: یہ عہود اور عہد قسم ہیں، لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عہد کا کفارہ نہیں دیا جائے گا۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر عہد توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن اس کی سرین کے پاس اس کے معاہدہ توڑنے کی مقدار کے مطابق جھنڈا گاڑا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ فلاں کی خیانت اور وعدہ خلافی ہے (1)"۔ اور رہی اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانا! تحقیق اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک خصلت کے ساتھ کفارہ مشروع قرار دیا ہے، اور جس پر قسم منعقد ہوا سے کھول دیا ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: التوکید یہ ہے کہ آدمی دو مرتبہ قسم کھائے، اور اگر آدمی ایک بار قسم کھائے تو اس میں کفارہ نہیں ہوگا۔ یہ سورۃ المائدہ میں گزر چکا ہے۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

"اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنے سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد (اور اسے) پارہ پارہ کر ڈالا تم بناتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ تاکہ اس طرح ہو جائے ایک گروہ زیادہ فائدہ اٹھانے والا دوسرے گروہ سے، صرف آزماتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ان قسموں سے۔ اور واضح فرمادے گا تمہارے لئے قیامت کے روز ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔"

قولہ تعالیٰ: وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا، النقض اور النکث (توڑنا) دونوں کا ایک ہی معنی ہے، اور اسم النکث اور النقض ہے، اور جمع الأنکاث ہے۔ پس اس آیت نے اس آدمی کو جو حلف اٹھاتا ہے، معاہدہ کرتا ہے، اور وہ اپنے عہد کو خوب پختہ کرتا ہے اور پھر اسے توڑ دیتا ہے اسے اس عورت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو اپنا سوت کاتتی ہے اور اسے مضبوط بٹتی ہے اور پھر اسے کھول دیتی ہے، پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ اور روایت کی جاتی ہے کہ مکہ میں رہنے والی ایک بیوقوف عورت تھی، اس کا نام ریطہ بنت عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ تھا وہ اس طرح کرتی تھی، پس اس کے ساتھ یہ تشبیہ واقع ہوئی ہے! یہ فراء نے کہا ہے، اور اسے عبداللہ بن کثیر اور سدی نے بیان کیا ہے اور ان دونوں نے عورت کا نام ذکر نہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شیأ ثم خرج بخلافه، جلد 2، صفحہ 1053

کیا۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، یہ ضرب المثل ہے، کسی معین عورت کے ساتھ تشبیہ نہیں ہے (1)۔ اور اَنْكَاثًا حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ اور الدخل سے مراد فریب، دھوکا اور ملاوٹ ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے: ہر وہ کام جو صحیح نہ ہو وہی دخل ہے۔ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ مفسرین نے کہا ہے: یہ آیت ان عربوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں سے ایک قبیلہ جب دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کرتا، پھر ان میں سے ایک کسی ایسے قبیلے کے پاس آتا جو افرادی قوت کے اعتبار سے زیادہ اور قوی ہوتا تو وہ اس میں داخل ہو جاتا، پہلے کے ساتھ دھوکا کرتا اور اپنا عہد توڑ ڈالتا اور اس بڑے کی طرف لوٹ جاتا (2)...... یہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ..... اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: تم اس وجہ سے معاہدہ نہ توڑو کہ ایک طائفہ افراد یا اموال کے اعتبار سے دوسرے طائفہ کی نسبت زیادہ ہو تو تم اپنی قسمیں توڑ دو جب تم اپنے مشرک دشمنوں کی دنیا میں خوشحالی اور کثرت تعداد کو دیکھو۔ اور مقصود کفار اور ان کے اموال کی کثرت کے سبب کفر کی طرف لوٹنے سے منع کرنا ہے۔ اور فراء نے کہا ہے: اس کا معنی ہے تم کسی قوم کے ساتھ ان کی قلت اور اپنی کثرت کے سبب یا اپنی قلت اور ان کی کثرت کے سبب معاہدہ نہ توڑو؛ حالانکہ تم انہیں قسم کے ساتھ قوی اور مضبوط کر چکے ہو۔ اَرْبٰى بمعنی اکثر ہے؛ یہ رَبَى الشَّيْءُ يَرْبُو سے ماخوذ ہے جبکہ شے کثیر ہو جائے، زیادہ ہو جائے اور بِهٖ میں ضمیر احتمال رکھتی ہے کہ وہ اس وفا کی طرف لوٹ رہی ہو جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ربا کی طرف لوٹ رہی ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرنے، اور ان میں سے بعض کے بعض پر غلبہ پانے کی طلب کے ساتھ آزمایا ہے، اور اس نے اس کے ساتھ انہیں امتحان میں ڈال دیا ہے تا کہ وہ دیکھے کون اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے کہ وہ اسے ان کے مخالف بنا دے جو اس کی اتباع کرتے ہیں اور اس کی خواہش کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور یہی اس قول باری تعالیٰ کا معنی ہے: اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ یعنی تم دوبارہ زندہ کئے جانے وغیرہ کے بارے میں اختلاف کرتے ہو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

”اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تمہیں ایک امت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے، اور ضرور تم سے باز پرس کی جائے گی ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے۔“

قولہ تعالیٰ: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ایک ہی ملت اور دین پر بنا دیتا۔ وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ (لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے) اپنی طرف سے ان کی مدد چھوڑنے کے سبب اور اپنی طرف سے ان میں عدل کرتے ہوئے۔ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ انہیں اپنی توفیق سے نوازتے ہوئے اور اپنی طرف سے ان پر فضل و احسان فرماتے ہوئے، جو وہ کرتا ہے اس کے بارے اس سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ تم سے پوچھا جائے گا: اور یہ آیت قدریہ کا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 418-417 2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 418

رد کرتی ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ اور وَلَیُبَیِّنَنَّ اور وَلَتُسْـَٔلُنَّ میں لام اور نون مشددہ (ثقیلہ) دونوں مضمر قسم پر دلالت کرتے ہیں، یعنی واللہ لَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ وَلَتُسْـَٔلُنَّ۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝

''اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ ورنہ (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اس پر) جم جانے کے بعد اور تمہیں چکھنا پڑے گا (اس کا) برا نتیجہ کہ تم نے (اپنی عہد شکنی اور فریب کاری) کے باعث لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک دیا اور تمہارے لئے بڑا (دردناک) عذاب ہوگا۔''

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اسے بطور تاکید مکرر ذکر کیا۔ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا یہ اس سے روکنے اور منع کرنے میں مبالغے کا اظہار ہے اس لئے کہ دین میں اس کے وقوع کا محل عظیم ہے اور لوگوں کے معاملات میں بار بار دہرائی جاتی ہے، یعنی تم ایسی قسمیں نہ کھاؤ جن سے مقصود دھوکہ اور فساد ہو ورنہ قدم جم جانے کے بعد (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد قسم سے قدم پھسل جائے گا۔ اور یہ استعارہ ہے سیدھی راہ پر چلنے والے کے لئے جو بہت بڑے شر اور برائی میں واقع ہو جاتا ہے اور اس میں گر پڑتا ہے، کیونکہ قدم جب پھسل جائے تو انسان اچھی حالت سے بری حالت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اور اسی معنی میں کثیر کا قول ہے:

فلما توافینا ثبتُّ وزلّت (پس جب ہم آ گئے تو میں ثابت قدم رہا اور وہ پھسل گئی)

اور عرب ہر اس آدمی کے لئے جو عافیت کے بعد کسی مصیبت میں مبتلا ہو یا کسی گڑھے میں گرنے والا ہو، کہتے ہیں زلت قدمه (اس کا قدم پھسل گیا)۔

جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

سَیُمْنَعُ منك السَّبْقُ ان کنت سابقا وتُقْتَل ان زَلّت بك القدمان(1)

اور جو آدمی کسی شے میں خطا کرے اس کے لئے کہا جاتا ہے: زل فیه۔ (وہ اس میں پھسل گیا) پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عذاب کی اور آخرت میں عذاب عظیم کی وعید فرمائی ہے۔ اور یہ وعید بلاشبہ اس کے بارے میں ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو توڑا، کیونکہ جس نے آپ کے ساتھ معاہدہ کیا پھر اس نے اپنا عہد توڑ دیا وہ ایمان سے خارج ہو گیا، اور اسی لئے فرمایا: وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی تمہارے اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کے سبب۔ اور دنیا میں برا نتیجہ چکھنا یہ ہے کہ جو ان پر تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 201

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩٦

''اور مت بیچو اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض، بے شک جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ جو (مال وزر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو (رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہیں گے، اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجران کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔''

قولہ تعالیٰ: وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا یہ عہد توڑنے پر اموال لینے اور رشوت سے نہی ہے، یعنی تم دنیا کے قلیل ساز و سامان کے عوض اپنے عہدوں کو نہ توڑو۔ وہ بلاشبہ قلیل ہی ہے اگرچہ وہ کثیر بھی ہو، کیونکہ یہ زائل ہونے والا اور ختم ہو جانے والا سامان ہے، پس یہ فی الحقیقت قلیل ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (جو (مال وزر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو (رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہیں گے) سے یہی مراد ہے۔ پس دنیا اور آخرت کی حالت کے درمیان فرق بیان کر دیا اس طرح کہ یہ ختم ہو جاتا ہے اور بدل جاتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس کا فضل و عطا ہے، اور اس کی جنت کی نعمتیں ثابت رہنے والی ہیں وہ اس سے زائل نہیں ہوں گی جس نے وعدہ وفا کیا اور اپنے عقد پر ثابت قدم رہا۔

کسی شاعر نے کتنا خوب کہا:

المال ينفدُ حِلّه و حرامه   يوما و تبقى في غدٍ آثامُه

اس دن مال کی حلت و حرمت ختم ہو جائے گی اور کل اس کے گناہوں کی جزا باقی رہے گی۔

ليس التقيُّ بمتقٍ لِإلهه   حتى يطيب شرابه و طعامه

تقویٰ صرف اس کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے ساتھ نہیں ہے یہاں تک کہ اس کا کھانا، پینا بھی حلال اور طیب ہو۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے:

هَبِ الدنيا تساق إليك عفْوًا   أليس مصير ذاك إلى انتقال

تو دنیا کو چھوڑ دے وہ تیری طرف معافی مانگتے ہوئے چل کر آئے گی کیا اس کا انجام انتقال نہیں ہے۔

و ما دنياك إلا مثالُ فَيْئٍ   أظلّك ثم آذن بالزوال

تیری دنیا تو فقط سائے کی مثل ہے اس نے تجھ پر سایہ کیا اور پھر زوال کا اعلان کر دیا۔

قولہ تعالیٰ: وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا یعنی ہم انہیں ضرور عطا کریں گے جنہوں نے اسلام اور طاعات پر صبر کیا اور جنہوں نے گناہ کرنے سے صبر کیا (اجتناب کیا)۔ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کا اجران کے ان اچھے کاموں کے

عوض ہے جو وہ طاعات میں سے کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں احسن قرار دیا کیونکہ حسن میں سے اس نے جو چیزیں شمار کرائی ہیں وہ مباح ہیں۔ اور طاعات پر جزا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے وعدہ کے مطابق ہوگی۔ عاصم اور ابن کثیر نے تعظیم کی بنا پر نون کے ساتھ وَ لَنَجْزِيَنَّ پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے یا کے ساتھ قرأت کی ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک یہ آیت وَ لَا تَشْتَرُوْا یہاں تک امرؤ القیس بن عابس کندی اور اس کے خصم ابن اسوع کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ دونوں زمین کے بارے میں جھگڑ پڑے پس امرؤ القیس نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا اور جب اس نے یہ آیت سنی تو قسم سے انکار کر دیا اور اس کے لئے اس کے حق کا اقرار کر لیا) واللہ اعلم۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۰

”جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی، اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔“

قولہ تعالیٰ: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً یہ شرط اور جواب شرط ہے۔ اور حیات طیبہ کے بارے میں پانچ قول ہیں: (۱) اس سے مراد رزق حلال ہے[1]؛ یہ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، عطا اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ (۲) اس سے مراد قناعت ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، زید بن وہب [2] اور وہب بن منبہ نے کہا ہے، اور اسے حکم نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور یہی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ (۳) اس کا طاعات (وعبادات) کی توفیق دینا ہے کیونکہ یہ اعمال اسے اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچا دیتے ہیں؛ یہ معنی ضحاک نے بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے: جس نے نیک عمل کئے درآنحالیکہ وہ مومن ہو تنگی کی حالت میں اور خوشحالی کی حالت میں تو اس کی زندگی پاکیزہ ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کیا اور اپنے رب کے ساتھ ایمان نہ لایا اور کوئی نیک عمل نہ کیا تو اس کی معیشت تنگ ہو گئی اس میں کوئی خیر اور بھلائی نہ ہوگی۔ اور حضرت مجاہد، قتادہ، اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے[3]: اس سے مراد جنت ہے، اور یہ حسن نے کہا ہے، اور فرمایا: کسی کی زندگی پاکیزہ نہیں ہوگی مگر جنت میں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد سعادت ہے[4]، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ اور ابو بکر وراق نے کہا ہے: یہ طاعت کی حلاوت ہے۔ اور حضرت سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا ہے: وہ یہ ہے کہ بندے سے اس کی تدبیر چھین لی جائے اور اس کی تدبیر کو حق کی طرف لوٹا دیا جائے۔ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی تصدیق کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مخلوق سے بے نیاز ہونا اور حق کی طرف متوجہ ہونا اور اس کا محتاج ہونا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قضا کے ساتھ راضی ہونا ہے۔ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ اور آخرت میں ہم انہیں ان کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ان کے اچھے کاموں کے عوض جو وہ کرتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 203 2۔ ایضاً، جلد 14-13، صفحہ 204 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

تھے۔) اور فرمایا: فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ پھر فرمایا: وَ لَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اس لئے کہ مَنۡ واحد اور جمع دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے، پس ایک بار ضمیر لفظ کے اعتبار سے (واحد) لوٹائی اور ایک بار معنی کے اعتبار سے (جمع) لوٹائی اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور ابو صالح نے کہا ہے: تورات کو ماننے والے کچھ لوگ، اور انجیل کو ماننے والے کچھ لوگ، اور بت پرستوں میں سے کچھ لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، تو ان میں سے ایک فریق نے کہا: ہم افضل ہیں، اور دوسروں نے کہا: ہم افضل ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۹۸﴾

''سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں) سے جو مردود ہے۔''

اس میں ایک مسئلہ ہے: اور وہ یہ کہ یہ آیت قول باری تعالیٰ: وَ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ کے ساتھ متصل ہے پس جب تو اس کی قرأت میں شروع ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس بارے پناہ طلب کر کہ شیطان تیرے لئے ظاہر ہو اور وہ تجھے اس میں غور و فکر کرنے سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے مطابق عمل کرنے سے روکے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ تو قرأت کے بعد پناہ طلب کر، بلکہ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: إذا أكلت فقل بسم الله یعنی جب تو کھانے کا ارادہ کرے تو بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ پڑھ۔ اور جبیر بن مطعم نے اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا جس وقت آپ نماز شروع کرتے تو کہتے: اللّٰهم إني أعوذ بك من الشيطان من همزه و نفخه و نفثه (1)۔ (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وساوس سے، اس کے کبر و نخوت سے، اور اس کے غزلیہ اشعار سے۔)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ اپنی نماز میں قرأت سے پہلے تعوذ پڑھتے تھے۔ الکیا طبری نے کہا ہے: بعض سلف سے یہ منقول ہے کہ تعوذ مطلقاً قرأت کے بعد ہے، اور ان کا استدلال اس قول باری تعالیٰ سے ہے: فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ تعوذ قرأت کے بعد ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوۡدًا (النساء: 103) (جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے) مگر اس کے سوا دوسرے معنی کا اس میں احتمال ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا (الانعام: 152) (اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو۔)

وَ اِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ (الاحزاب: 53) (اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر۔) اس سے یہ مراد نہیں کہ پہلے سوال کے بعد حجاب کے پیچھے سے وہ ان سے سوال کرے۔ اور اسی کی مثل قائل کا یہ قول ہے: إذا قلت فاصدق (جب تو بات کرے تو سچ بول) اور وإذا أحرمت فاغتسل (اور جب تو احرام باندھے تو غسل کر) یعنی احرام باندھنے سے پہلے۔ اور ان تمام میں معنی یہ ہے: جب تو اس کا ارادہ کرے۔ پس اسی طرح استعاذہ (پناہ طلب کرنا، تعوذ پڑھنا) بھی ہے۔ یہ معنی اور استعاذہ کی مکمل بحث پہلے گزر چکی ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك، جلد 1، صفحہ 113۔ ایضاً، حدیث نمبر 651، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

''یقیناً اس کا زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف ان پر چلتا ہے جو یارانہ گانٹھتے ہیں اس سے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔''

قولہ تعالیٰ: اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی بے شک اس کا ان لوگوں پر گمراہ کرنے اور کفر کے بارے زور نہیں چلتا جو (سچے دل سے) ایمان لائے، یعنی تجھے اس پر قدرت نہیں ہے کہ تو انہیں ایسے گناہ پر ابھارے جس کی مغفرت نہیں ہوسکتی؛ یہ سفیان نے کہا ہے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کے لیے اس پر کوئی حجت نہیں ہے گناہوں میں سے جن کی طرف وہ انہیں دعوت دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک اس کو ان پر کسی حال میں کوئی زور نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت ان پر ڈال دی ہے جس وقت اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس نے کہا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو(1): وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (الحجر) (اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو، سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے۔) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ (الحجر) (بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں گمراہوں میں سے۔)

میں (مفسر) کہتا ہوں: تحقیق ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ ایسا عام ہے جس میں تخصیص داخل ہے، تحقیق اس نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے اپنے زور کے ساتھ لغزش کا ارتکاب کروایا، اور اس نے اپنے اپنے وقت کے فضلاء کو اپنے اس قول کے ساتھ کہ ''تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟'' تشویش میں مبتلا کیا، جیسا کہ اس کا بیان سورۃ الاعراف کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ بلاشبہ اس کا زور صرف ان پر چلتا ہے جو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: تولیتہ یعنی میں نے اس کی اطاعت کی، اور تولیتُ عنه، یعنی میں نے اس سے اعراض کرلیا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ اور ان پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں؛ یہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں بِهٖ ضمیر شیطان کی طرف لوٹ رہی ہے؛ یہ ربیع بن انس اور قتبی نے کہا ہے(2)۔ اور اس کا معنی ہے: اور وہ لوگ جو اس کی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: کفرتُ بھذہ الکلمة، یعنی میں نے اس کلمے کی وجہ سے کفر کیا۔ اور صار فلانٌ بك عالما، یعنی فلاں تیری وجہ سے عالم ہوگیا، یعنی وہ جو شیطان کی اطاعت کرتے ہیں (اور اس کے ساتھ یارانہ گانٹھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔)

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 213 2۔ ایضاً

اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ۝

''اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں: تم صرف افتراء پرداز ہو، بلکہ ان میں سے اکثر (آیت بدلنے کی حکمت کو) نہیں جانتے۔ فرمایئے: نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تاکہ ثابت قدم رکھے انہیں جو ایمان لائے ہیں اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے۔''

قولہ تعالیٰ: وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب ہم سابقہ شریعت کو نئی شریعت کے ساتھ بدلتے ہیں؛ یہ ابن بحر نے کہا ہے (1)۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یعنی جب ہم ایک آیت کو اٹھا لیتے ہیں اور اس کی جگہ دوسری رکھ دیتے ہیں (2)۔ اور جمہور نے کہا ہے: جب ہم ایک آیت کو ایسی آیت کے ساتھ منسوخ کر دیتے ہیں جو پہلی سے ان پر زیادہ شدید اور سخت ہوتی ہے۔ نسخ اور تبدیل کا معنی ہے ایک چیز کو اٹھا لینا اس طرح کہ اس کی جگہ دوسری شے رکھ دی جائے (3)، اور نسخ کے بارے میں مکمل بحث سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ قَالُوْۤا مراد کفار قریش ہیں یعنی یہ کہتے ہیں: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ تم تو فقط جھوٹ گھڑنے والے ہو، اور وہ یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ حکم کی تبدیلی کو دیکھتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ نے احکام اور بعض کو بعض کے ساتھ تبدیل کرنے کو مشروع قرار دیا ہے (اکثر اسے جانتے ہی نہیں ہیں) اور قول باری تعالیٰ: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، وہ مکمل قرآن کریم یعنی اس کا ناسخ اور منسوخ سبھی لے کر نازل ہوئے۔ اور صحیح اسناد کے ساتھ عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا: تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقرر کیا گیا، پس وہ ایک ایک کلمہ کے ساتھ آپ کے پاس آتے تھے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ پر قرآن کریم لے کر نازل ہوئے۔ اور صحیح مسلم میں بھی ہے کہ آپ پر سورۃ ''اَلْحَمْدُ'' کے ساتھ ایک فرشتہ نازل ہوا جو پھر کبھی زمین کی طرف نہیں اترا، جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ یعنی تیرے رب کے کلام کو حق کے ساتھ (روح القدس نے نازل کیا ہے) لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تاکہ وہ ثابت قدم رکھے انہیں جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں دلائل اور آیات میں سے۔ وَ هُدًى اور یہ ہدایت ہے۔ وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ اور مسلمانوں کے لئے خوشخبری ہے۔

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔''

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 214 2۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 210 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 214

قولہ تعالیٰ: وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ اس کے نام میں اختلاف ہے جس کے بارے انہوں نے کہا کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ پس کہا گیا ہے: وہ الفاکہ بن مغیرہ کا غلام تھا اور اس کا نام جبر ہے، وہ نصرانی تھا پھر اسلام لے آیا اور جب وہ (کفار مکہ) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ آیات سنتے تھے جو گزر چکی ہیں اور جو آنے والی ہیں اس کے باوجود کہ آپ امی ہیں اور آپ نے کچھ نہیں پڑھا تو وہ کہتے: بے شک انہیں جبر سکھاتا ہے حالانکہ وہ عجمی ہے، تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ یعنی جبر آپ کو کیسے سکھا سکتا ہے حالانکہ وہ عجمی ہے اور یہ وہ کلام ہے کہ جن وانس میں سے کوئی اس کی ایک سورت یا اس سے زیادہ اس کے معارض لانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اور نقاش نے ذکر کیا ہے کہ جبر کا آقا اسے مارتا تھا اور اسے کہتا تھا: تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سکھاتا ہے؟ تو وہ کہتا: نہیں قسم بخدا! بلکہ آپ مجھے تعلیم دیتے ہیں اور میری راہنمائی کرتے ہیں۔ اور ابن اسحاق نے کہا ہے: جو خبر مجھ تک پہنچی ہے اس کے مطابق حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات مروہ کے قریب نصرانی غلام کے پاس بیٹھتے تھے اس کو جبر کہا جاتا تھا، اور وہ بنی الحضرمی کا غلام تھا، اور وہ کتابیں پڑھتا رہتا تھا، تو مشرک کہنے لگے: قسم بخدا! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ انہیں جبر نصرانی کے سوا کوئی نہیں سکھاتا۔ اور عکرمہ نے کہا ہے: اس کا نام یعیش تھا وہ بنی حضرمی کا غلام تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قرآن کی تلقین کرتے تھے؛ اسے ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ اور ثعلبی نے حضرت عکرمہ اور قتادہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ بنی مغیرہ کا غلام تھا اس کا نام یعیش تھا، اور وہ عجمی کتابیں پڑھتا رہتا تھا، تو قریش نے کہا: بلاشبہ اسے بشر (کوئی انسان) سکھاتا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور مہدوی نے عکرمہ سے روایت کیا ہے وہ بنی عامر بن لوی کا غلام تھا، اور اس کا نام یعیش تھا۔ اور عبداللہ بن مسلم حضرمی نے کہا ہے: ہمارے دو نصرانی غلام تھے جو عین التمر کے رہنے والے تھے، ان میں سے ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جبر تھا(1)۔ اور اسی طرح ماوردی، قشیری اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے، مگر ثعلبی نے یہ کہا ہے: ان میں سے ایک کو نبت کہا جاتا تھا اور اس کی کنیت ابوفکیہہ تھی، اور دوسرے کو جبر، اور وہ دونوں تلواروں کو تیز کرنے اور انہیں صاف کرنے کا کام کرتے تھے اور وہ دونوں ان کی کتاب پڑھتے تھے۔

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ تورات اور انجیل پڑھتے تھے۔ ماوردی اور مہدوی نے کہا ہے: وہ تورات پڑھتے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے پاس سے گزرتے تھے اور ان کی قرآت سنتے تھے، تو مشرک کہنے لگے: آپ ان سے تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان سے سیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور انہیں جھوٹا قرار دیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مراد لئے؛ یہ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے(2)۔ اور یہ قول بھی ہے کہ وہ مکہ میں ایک نصرانی تھا اس کا نام بلعام تھا، اور وہ غلام تھا تورات پڑھتا تھا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ اور مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے پاس داخل ہوتے اور اس سے نکلتے وقت دیکھتے تھے، تو کہتے تھے: بلاشبہ بلعام انہیں سکھاتا ہے۔ اور قتبی نے کہا ہے: مکہ مکرمہ میں ایک عیسائی آدمی تھا اس کو ابومیسرہ کہا جاتا تھا وہ رومی زبان میں گفتگو کرتا تھا، پس بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 215 2۔ ایضاً

اس کے پاس بیٹھ جاتے، تو کفار کہنے لگے: بلاشبہ محمد (ﷺ) اس سے سیکھتے ہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ عتبہ بن ربیعہ کا غلام عداس تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ حویطب بن عبدالعزیٰ کا غلام عابس اور ابن حضرمی کا آزاد کردہ غلام یسار ابوفکیہہ تھا، اور دونوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: ان تمام کا احتمال ہوسکتا ہے، کیونکہ حضور نبی مکرم ﷺ مختلف اوقات میں کبھی کبھار ان کے پاس بیٹھتے تھے تاکہ آپ انہیں اس کے بارے تعلیم دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا، اور یہ مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اور نحاس نے کہا ہے: یہ تمام اقوال باہم متضاد اور متناقض نہیں ہیں، کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ ان تمام کی طرف اشارہ کرتے ہوں، اور یہ گمان رکھتے ہوں کہ وہ آپ کو سکھاتے ہیں۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: رہا وہ جو حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں وہ حقیقت سے بہت دور ہے، کیونکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، اور یہ آیت مکی ہے۔

لِسَانُ الَّذِیۡ یُلۡحِدُوۡنَ اِلَیۡهِ اَعۡجَمِیٌّ، الالحاد کا معنی مائل ہونا (المیل) (ٹیڑھا ہونا) ہے۔ کہا جاتا ہے: لحد و ألحد، یعنی مال عن القصد (وہ ہدایت سے پھر گیا، ہٹ گیا) اور یہ سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے اور حمزہ نے یَلۡحَدُوۡنَ یا اور حا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اس کی زبان جس کی طرف وہ مائل ہو رہے ہیں اور جس کی طرف وہ اشارہ کررہے وہ اعجمی ہے۔ اور العُجمہ کا معنی الاخفاء: (چھپانا) ہے اور یہ بیان کی ضد ہے۔ اور رجل أعجم و امرأۃ عجماء یعنی جو فصیح وبلیغ نہ ہو۔ اور اسی سے عجم الذنب گناہ کو چھپانے کے لئے ہے۔ اور العجماء جانوروں کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے بارے میں وضاحت نہیں کر سکتے۔ اور أعجمت الکتاب کتاب کے بغیر اعراب کے ہونے نے پھسلا دیا۔ اور عرب ہر اس کو أعجمی کا نام دیتے ہیں جو ان کی زبان نہیں جانتا اور نہ ان کی کلام میں گفتگو کرسکتا ہے۔ اور فراء نے کہا ہے: أعجم وہ ہے جس کی زبان میں عجمہ ہو اگرچہ وہ عربی ہو، اور الأعجمی یا عجمی وہ ہے جو دراصل عجم سے ہو۔ اور ابوعلی نے کہا ہے: أعجمی وہ ہے جو فصیح وبلیغ نہ ہو برابر ہے وہ عرب سے ہو یا عجم سے، اور اسی طرح اعجم اور اعجمی جو عجم کی طرف منسوب ہوں، اگرچہ وہ فصیح وبلیغ ہوں۔ اور لسان سے مراد قرآن کریم ہے، کیونکہ عرب قصیدہ اور شعر کے لئے لسان بولتے تھے۔

جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

لسانُ الشرِّ تهديها إلينا　　　وخُنت و ما حسبتك أن تخونا

مراد لسان القصیدہ ہے۔ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیۡنٌ یعنی یہ عربی کلام میں سے زیادہ فصیح وبلیغ ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهۡدِیۡهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۰۴﴾

''بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

قولہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یعنی یہ وہ مشرک ہیں جو قرآن کے ساتھ ایمان نہیں لاتے۔ لَا یَهۡدِیۡهِمُ

اللّٰہِ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۔

اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

"وہی لوگ تراشا کرتے ہیں جھوٹ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔"

قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یہ اس کا جواب ہے جو انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف افتراء پردازی کی نسبت کی۔ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ یہ انہیں کذب کے ساتھ متصف کرنے میں مبالغے کا اظہار ہے، یعنی ہر جھوٹ ان کے جھوٹ کی نسبت سے قلیل اور تھوڑا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: کذب فلان (فلاں نے جھوٹ بولا) اور یہ نہیں کہا جاتا: انہ کاذب (بے شک وہ جھوٹا ہے) کیونکہ فعل کبھی لازم ہوتا ہے اور کبھی لازم نہیں ہوتا۔ اور رہی لغت (صفت) تو وہ لازم ہوتا ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے: عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ﴿۱۲۱﴾ (طٰہٰ) (اور حکم عدولی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا)۔ اور یہ نہیں کہا جاتا: انہ عاصٍ و غاوٍ (کہ وہ حکم عدولی کرنے والے اور راستہ بھٹکنے والے ہیں) پس جب کہا جائے: کذبَ فلانٌ فھو کاذب، تو یہ کذب کے وصف میں مبالغہ کا اظہار ہے؛ یہ علامہ قشیری نے کہا ہے۔

مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِہٖۤ اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ وَ لٰکِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡکُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

"جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ (تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا) لیکن وہ (بدنصیب) کھل جائے کفر کے ساتھ (جس کا سینہ) تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

اس میں اکیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ متصل ہے: وَ لَا تَنۡقُضُوا الۡاَیۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡکِیۡدِہَا پس یہ وصف بالکذب میں مبالغے کا بیان ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مرتد نہ ہو، یعنی جس نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اور وہ مرتد ہو گیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ آیت عبداللہ بن سعد بن أبی سرح اور مقبس بن صبابہ، عبداللہ بن خطل، اور قیس بن ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا۔ پھر فرمایا: اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ، (1) اور زجاج نے کہا ہے: مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِہٖۤ، مَنۡ یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ سے بدل ہے؛ یعنی بلاشبہ وہ جھوٹ گھڑتا ہے جس نے اپنے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر کیا، کیونکہ اس نے کلام میں استثنائے غیر تام کے آخر کی طرف دیکھا ہے پس اس نے اسے ماقبل کے ساتھ معلق کر دیا ہے۔ اور اخفش نے کہا ہے: مَنۡ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، اور دوسرے مَنۡ کی خبر پر ہی اکتفا کر لیا گیا ہے، جیسا کہ تیرا یہ قول ہے: من یاتنا من یحسن نکرمہ۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 216-215

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہی اہل تفسیر کا قول ہے کہ یہ اس بعض کے زیادہ قریب ہے جس کی طرف انہوں نے آپ کو بلایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: مشرکوں نے آپ کو پکڑ لیا اور انہوں نے آپ کے والد اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا، اور حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت خباب اور حضرت سالم رضی اللہ عنہم کو بھی پکڑ لیا اور انہیں بہت ستایا، اذیتیں پہنچائیں، اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا اور ان کی شرمگاہ میں نیزہ مارا گیا۔ اور انہیں کہا گیا: بے شک تو نے ان مردوں کی وجہ سے اسلام قبول کیا ہے، پھر انہیں شہید کر دیا گیا اور ان کے خاوند حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا گیا، اور یہ دونوں اسلام میں پہلے مقتول ہیں۔ اور رہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ! تو آپ نے مجبوراً اپنی زبان سے ان کے سامنے وہ کہہ دیا جو انہوں نے ارادہ کیا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کی شکایت کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: ''اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟'' انہوں نے عرض کی: وہ ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس اگر وہ اعادہ کریں تو تم بھی دوبارہ کہہ دو(1)''۔ اور منصور بن معتمر نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا: اسلام میں پہلی شہیدہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ماں ہے، انہیں ابوجہل نے قتل کیا تھا، اور مردوں میں سے پہلے شہید مجع مولی حضرت عمر ہیں۔ اور منصور نے بھی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے اسلام ظاہر کیا وہ سات ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت صہیب، حضرت عمار اور حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہم۔ پس رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی حفاظت حضرت ابو طالب نے کی، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حفاظت ان کی قوم نے کی، اور دوسروں کو انہوں نے پکڑ لیا۔ اور انہیں لوہے کی زرہیں پہنا دیتے، پھر انہیں دھوپ میں ڈال دیتے یہاں تک کہ انہیں لوہے اور سورج کی گرمی سے حد درجہ مشقت اور تکلیف پہنچتی، اور جب شام ہوتی تو ابوجہل اپنے ساتھ نیزہ لے کر ان کے پاس آتا اور انہیں گالیاں دینے لگتا اور انہیں خوب جھڑکتا، اور پھر وہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور انہیں گالیاں دینے لگا اور بے حیائی کرنے لگا، پھر ان کی شرمگاہ پر نیزہ مارا یہاں تک کہ وہ ان کے منہ سے باہر نکل گیا اور انہیں قتل کر دیا؛ رضی اللہ عنہا۔ انہوں نے بیان کیا: اور دوسروں نے وہ کچھ کہہ دیا جو ان سے پوچھا گیا، سوائے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کیونکہ ان پر ان کے نفس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر معاملہ آسان کر دیا، پس وہ انہیں عذاب اور اذیتیں دینے لگے اور ان کو کہنے لگے: اپنے دین سے رجوع کر لو۔ (واپس لوٹ آؤ) اور وہ فرماتے: اَحَدٌ اَحَدٌ (اللہ تعالیٰ ایک ہے، اللہ تعالیٰ ایک ہے)، یہاں تک کہ وہ آپ سے اکتا گئے، پھر انہوں نے آپ کو باندھ دیا اور آپ کے گلے میں کھجور کی چھال کی رسی ڈال دی اور اپنے بچوں کے حوالے کر دیا کہ وہ اس کے ساتھ مکہ کے ان دو پہاڑوں کے درمیان کھیلتے رہیں حتیٰ کہ وہ بھی آپ سے اکتا گئے اور پھر چھوڑ دیا۔ راوی نے بیان کیا پس حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم تمام نے سوائے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس بارے کلام کی جو انہوں نے کہا کاش اللہ تعالیٰ ہمارا تدارک فرماوے کیونکہ ان پر ان کے نفس نے اللہ کی راہ آسان کر دی، پس وہ اپنی قوم پر غالب آ گئے یہاں تک کہ

1۔ المستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، سورۃ النحل، جلد 2، صفحہ 389، حدیث 3362

وہ آپ سے اکتا گئے اور انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ اور ابن ابی نجیح نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ ایمان لائے، اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے مدینہ طیبہ سے ان کی طرف لکھا کہ تم ہماری طرف ہجرت کر آؤ، کیونکہ ہم اپنی طرف سے تمہاری کوئی امداد نہیں کر سکتے یہاں تک کہ تم ہماری طرف ہجرت کر آؤ، پس وہ مدینہ طیبہ کے ارادہ سے نکلے یہاں تک کہ قریش نے انہیں راستے میں پکڑ لیا، پس انہوں نے انہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا تو انہوں نے مجبور ہو کر کفر اختیار کر لیا، پس ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ دونوں روایتیں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اسماعیل بن اسحاق نے ذکر کی ہیں۔

اور ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دو امروں کے درمیان اختیار نہیں دیا گیا مگر انہوں نے دونوں میں سے زیادہ درست اور صحیح کو اختیار کیا(1)''۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک جنت تین افراد کی مشتاق ہے (یعنی) حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہم (2)''۔ ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث غریب ہے ہم حسن بن صالح کی حدیث کے سوا اسے نہیں جانتے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب اللہ تعالیٰ نے اکراہ کے وقت اپنے ساتھ کفر کرنے کو بخش دیا ہے حالانکہ وہی اصل شریعت ہے اور اس کے سبب کوئی مؤاخذہ نہیں کیا، تو علماء نے اس پر بہت سے شرعی فروعات کو محمول کیا ہے، پس جب ان پر اکراہ واقع ہو تو ان کے سبب مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ ان پر کوئی حکم مرتب ہوگا اور اسی کے بارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشہور اثر مروی ہے: ''میری امت سے خطا اور نسیان اور وہ عمل جس پر انہیں مجبور کیا گیا اٹھا لئے گئے ہیں(3)''۔ الحدیث۔ یہ خبر اگرچہ اس کی سند صحیح نہیں ہے لیکن اس کا معنی باتفاق علماء صحیح ہے، یہ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا ہے۔ اور ابو محمد عبدالحق نے بیان کیا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے، فرمایا: اسے ابو بکر الاصیلی نے ''الفوائد'' میں اور ابن منذر نے کتاب ''الاقناع'' میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جسے کفر پر مجبور کیا گیا یہاں تک کہ اسے اپنے اوپر قتل کا خوف (غالب) ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر اس نے کفر کیا بشرطیکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور نہ اس سے اس کی بیوی جدا ہوگی اور نہ اس پر کفر کے حکم کے ساتھ کوئی حکم لگایا جائے گا، یہ قول امام مالک، امام شافعی اور کوفیوں کا ہے، مگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بن حسن نے کہا ہے: جب اس نے شرک کا اظہار کیا تو وہ ظاہر میں مرتد ہو گیا، اور جو معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اس میں وہ اسلام پر ہی رہے گا، اور اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی، اور اگر وہ مر گیا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اور وہ اپنے باپ کا وارث نہیں بنے گا بشرطیکہ وہ اسلام پر فوت ہوا ہو۔ اور یہ وہ قول ہے جسے کتاب وسنت رد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ

1۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، مناقب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، جلد 2، صفحہ 220۔ ایضاً، حدیث نمبر 3734، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، مناقب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، جلد 2، صفحہ 220۔ ایضاً، حدیث نمبر 3732، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی، صفحہ 148

نے ارشاد فرمایا: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ الآیہ۔ اور فرمایا: اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (آل عمران: 28) (مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ)۔ اور فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ الآیہ (النساء: 97) (بے شک وہ لوگ کہ قبض کیا ان (کی روحوں) کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر فرشتوں نے انہیں کہا کہ تم کس شغل میں تھے؟ (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا: ہم تو بے بس تھے زمین میں)۔ مزید فرمایا: اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الآیہ (النساء: 98) (مگر واقعی کمزور و بے بس مرد اور عورتیں اور بچے۔ ۔ الخ)

پس اللہ تعالیٰ نے ان کمزور لوگوں کو معذور قرار دیا ہے جو اس کام کو ترک کرنے سے باز رہتے ہیں جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے حکم ارشاد فرمایا ہے، اور مُکرَہ نہیں ہوتا مگر وہی کمزور جو اس عمل کو کرنے سے رکنے والا نہیں جس کے بارے اسے حکم دیا گیا ہے، یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ رخصت فقط قول میں ہے اور جہاں تک فعل کا تعلق ہے تو اس میں کوئی رخصت نہیں، مثلاً یہ کہ انہیں غیر اللہ کو سجدہ کرنے پر یا غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر مجبور کیا جائے یا کسی مسلمان کو قتل کرنے پر یا اسے مارنے پر یا اس کا مال کھانے پر مجبور کیا جائے یا زنا کرنے، اور شراب پینے اور سود کھانے پر مجبور کیا جائے؛ یہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جاتا ہے۔ اور ہمارے علماء میں سے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور سحنون کا قول بھی یہی ہے۔ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ بن حسن نے کہا ہے: جب کسی قیدی کو کہا جائے: اس بت کو سجدہ کرو ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ تو انہوں نے فرمایا: اگر وہ بت قبلہ سمت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سجدہ کر لے اور اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اور اگر وہ قبلہ سمت نہ ہو تو پھر وہ سجدہ نہ کرے اگرچہ وہ اسے قتل کر دیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ سجدہ کر لے اگرچہ وہ غیر قبلہ کی طرف ہی ہو، اور اس وقت سجدہ کرنا ہی اس کے لائق اور مناسب ہے۔ اور صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آرہے تھے تو آپ اپنی سواری پر ہی جدھر اس کا منہ ہوتا نماز پڑھتے تھے (1)۔ انہوں نے فرمایا: اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: 115) (سو جدھر بھی تم رخ کرو وہیں ذات خداوندی ہے۔) پس جب یہ دوران سفر حالت امن میں محض سواری سے اترنے کی مشقت کے پیش نظر نفل نماز کے لئے مباح ہے تو پھر حالت اکراہ میں یہ کیسے نہیں ہو سکتا؟ اور انہوں نے رخصت کو قول میں محصور کرنے کے بارے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا ہے: کوئی کلام نہیں ہے جو مجھ سے طاقتور کے دو کوڑے دور کر سکتا ہو مگر یہ کہ میں اس کے ساتھ کلام کروں۔ تو انہوں نے رخصت کو قول میں محصور کیا ہے اور فعل کا ذکر نہیں کیا، اور یہ وہ ہے جس کے بارے کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ قول یہ احتمال رکھتا ہے کہ انہوں نے کلام کو بطور مثال ذکر کیا ہو حالانکہ وہ یہ ارادہ رکھتے ہوں کہ فعل بھی اسی کے حکم میں ہے۔ اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ قول اور فعل میں اکراہ برابر ہے بشرطیکہ اندر ایمان

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1181

موجود ہو۔ اور یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہل عراق کے ایک گروہ کا قول ہے۔ اور ابن القاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ جسے شراب پینے پر، نماز چھوڑنے پر یا رمضان میں روزہ افطار کرنے (نہ رکھنے پر) مجبور کیا گیا، تو اس سے گناہ اٹھالیا گیا۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ جسے دوسرے کو قتل کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس پر اقدام قتل جائز نہیں اور اس کی حرمت کو ختم کرنا کوڑوں یا کسی اور شے کے بدلے جائز ہے، بلکہ وہ اس مصیبت اور اذیت پر صبر کرے جو اس پر آئی ہے، اور اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کا فدیہ کسی اور کے ساتھ دے، اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کی التجا کرتا رہے۔

اور زنا کے بارے میں اختلاف ہے، پس مطرف، اصبغ، ابن عبدالحکم اور ابن ماجشون نے کہا ہے: کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا، اگرچہ وہ قتل کر دیا جائے وہ ایسا نہ کرے، پس اگر اس نے ایسا کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس پر حد لازم ہوگی: ابو ثور اور حسن نے یہی کہا ہے۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ اس کے لئے اقدام زنا جائز ہوگا اور اس پر حد نہ ہوگی، بخلاف اس کے جس نے اسے لازم کیا ہے، کیونکہ ان کی رائے ہے کہ یہ فطری شہوت ہے اس میں اکراہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور وہ شہوت کا باعث بننے والے سبب سے غافل ہے اور وہی اسے اس پر مجبور کرنے والا ہے، اور یہی وہ ہے جس نے اس کا حکم ساقط کر دیا ہے، اور بلاشبہ حد اس شہوت پر واجب ہوتی ہے جس پر سبب اختیاری نے برانگیختہ کیا ہو، پس انہوں نے شے کو اپنی ضد پر قیاس کیا ہے، پس یہ اس کی طرف سے درست اور صحیح نہیں۔

اور ابن خویز منداد نے احکام میں کہا ہے: ہمارے اصحاب نے اس بارے اختلاف کیا ہے جب آدمی کو زنا پر مجبور کیا جائے، پس بعض نے کہا ہے: اس پر حد ہوگی، کیونکہ وہ یہ عمل اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: اس پر حد نہ ہوگی۔ ابن خویز منداد نے کہا ہے: اور یہی صحیح ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اگر اسے غیر سلطان نے مجبور کیا تو اسے حد لگائی جائے گی، اور اگر اسے سلطان نے مجبور کیا تو پھر قیاس یہ ہے کہ اسے حد لگائی جائے گی، لیکن مستحسن یہ ہے کہ اسے حد نہ لگائی جائے۔ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) نے ان سے اختلاف کیا ہے پس انہوں نے کہا ہے: دونوں صورتوں میں اس پر حد نہ ہوگی، اور انہوں نے انتشار کا لحاظ نہیں رکھا ہے اور انہوں نے کہا ہے: جب یہ علم ہو کہ وہ فعل زنا کے ساتھ قتل سے نجات پا جائے گا تو انتشار جائز ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے: اس پر کوئی حد نہیں، اور اس میں سلطان اور غیر سلطان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ مُکرَہ کی طلاق اور اس کے عتاق کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب نے کہا ہے: اس کی کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ابن وہب نے حضرت عمر، حضرت علی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اس کی طلاق کو کوئی شے نہیں جانتے۔ اسے ابن منذر نے حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، عطا، طاؤس، حسن، شریح، قاسم، سالم، امام مالک، امام اوزاعی، امام احمد، اسحاق، اور ابو ثور رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ تعالیٰ سے ذکر کیا ہے۔

اور ایک گروہ نے اس کی طلاق کو جائز قرار دیا ہے؛ اور یہ حضرت شعبی، نخعی، ابوقلابہ، زہری اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے، اور یہی کوفیوں کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: مکرہ کی طلاق لازم ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں رضا سے زیادہ کوئی شے معدوم نہیں، اور اس کا وجود طلاق میں شرط نہیں جیسا کہ ھازل (ٹھٹھا مذاق کرنے والا)۔ اور یہ قیاس باطل ہے، کیونکہ ھازل طلاق واقع کرنے کا قصد کرتا ہے اور اس کے ساتھ راضی ہوتا ہے، اور مکرہ راضی نہیں ہوتا اور نہ طلاق میں اس کی نیت ہوتی ہے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے(1)''۔ اور بخاری میں ہے: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آدمی کے بارے میں کہا ہے جسے چور مجبور کرتے ہیں پس وہ طلاق دے دیتا ہے: تو وہ کوئی شے نہیں ہے (یعنی طلاق واقع نہیں ہوتی) اور یہی حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر، شعبی، اور حسن رضی اللہ عنہم نے کہا ہے۔ اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے: اگر چوروں نے اسے مجبور کیا تو وہ طلاق نہ ہوگی، اور اگر اسے سلطان نے مجبور کیا تو وہ طلاق ہو جائے گی۔ اور ابن عیینہ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے اور کہا ہے: بے شک چور اس کے قتل کا اقدام کرے گا اور سلطان اسے قتل نہیں کرے گا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اور رہا وہ آدمی جسے بیع پر مجبور اور تنگ کیا جائے تو اس کی دو حالتیں ہیں: (ا) کہ وہ اپنا مال اس حق کے بدلے بیچے جو اس پر واجب ہے؛ تو یہ بیع ہو جائے گی، جائز ہوگی اور فقہاء کے نزدیک اس میں رجوع نہ ہوگا، کیونکہ غیر مبیع سے حق اس کے مالک کو ادا کرنا اس پر لازم ہے، پس جب اس نے وہ نہیں کیا تو اس کی بیع اس کے اختیار سے ہوئی پس وہ لازم ہو جائے گی۔ اور رہی مکرہ کی بیع ظلماً یا جبراً، تو یہ وہ بیع ہے جو اس پر جائز نہ ہوگی، اور اس میں اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنا سامان بغیر ثمن کے لے لے، اور مشتری (خریدار) ثمن کے لئے اس ظالم کا پیچھا کرے، پس اگر سامان ضائع ہو گیا تو وہ اس کے ثمن یا اس میں سے اکثر کی قیمت کے ساتھ اس ظالم پر رجوع کرے جبکہ مشتری اس کے ظلم کو نہ جانتا ہو۔ مطرف نے کہا ہے: خریدنے والوں میں سے جو مکرہ کی حالت کو جانتا ہو تو وہ اس کا ضامن ہوگا جو اس نے اس کے غلاموں اور سامان میں سے خریدا جیسا کہ غاصب کا حکم ہے، پس خریدنے والے نے اس میں آزاد کرنے یا مدبر بنانے یا وقف کرنے وغیرہ کا جو تصرف اور عمل کیا وہ مکرہ پر لازم نہیں ہوگا، اور اس کے لئے اپنا سامان لینا جائز ہوگا۔ سحنون نے کہا ہے: ہمارے اصحاب اور اہل عراق نے اس پر اجماع کیا ہے کہ ظلم اور جور و ستم پر مکرہ کا بیع کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اور ابہری نے کہا ہے: بے شک اس پر اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اور رہا مکرہ کا نکاح، تو سحنون نے کہا ہے: ہمارے اصحاب نے مکرہہ اور مکرلہ (مرد و عورت) کے نکاح کے باطل ہونے پر اجماع کیا ہے، اور انہوں نے کہا ہے: اس پر قائم رہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ منعقد ہی نہیں ہوا۔ محمد بن سحنون نے کہا ہے: اہل عراق نے مکرہ کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے: اگر اسے اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ (فلاں) عورت سے دس ہزار درہم کے عوض، اور ایک ہزار درہم مہر مثل کے عوض نکاح کرے، تو وہ نکاح جائز ہوگا اور ایک ہزار درہم اس پر لازم ہوں گے اور فضل (فالتو رقم) باطل ہوگا۔ امام محمد نے کہا ہے: پس جس طرح انہوں نے ہزار سے زائد کو باطل قرار دیا ہے پس اسی طرح اکراہ کے ساتھ نکاح کو باطل قرار دینا ان پر لازم ہے۔ اور ان کا قول خلاف سنت ہے جو کہ

1۔ صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 2

حدیث خنساء بنت حذام انصاریہ میں ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے مہروں کے بارے میں مشورہ کرنے کے حکم کے سبب ثابت ہے، اور یہ پہلے گزر چکا ہے، پس ان کے قول کا کوئی معنی نہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ پھر اگر وہ آدمی جسے نکاح پر مجبور کیا گیا اس نے عورت سے وطی کی درآنحالیکہ اسے وطی پر مجبور نہ کیا گیا اور نکاح کے ساتھ رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے، تو ہمارے نزدیک نکاح لازم ہو جائے گا اور اس پر مہر مسمی لازم ہوگا اور اس سے حد ختم ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے کہا: میں نے اس کے ساتھ اپنی طرف سے نکاح پر رضامندی کے بغیر وطی کی ہے تو اس پر حد ہوگی اور مہر مسمی ہوگا، کیونکہ وہ مہر مسمی کو باطل کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے، اور عورت کو حد لگائی جائے گی اگر اس نے یہ اقدام کیا اور وہ یہ جانتی تھی کہ اسے نکاح پر مجبور کیا گیا ہے۔ اور رہی وہ عورت جسے نکاح پر اور وطی پر مجبور کیا گیا تو اس پر حد نہیں ہوگی اور اس کے لئے مہر ہوگا۔ اور وطی کرنے والے کو حد لگائی جائے گی، پس تو اسے جان لے، یہ سحنون نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ جب عورت کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس پر کوئی حد نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ (مگر وہ جسے مجبور کیا جائے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور وہ عمل جس پر انہیں مجبور کیا گیا کو اٹھا لیا ہے۔'' (اور ان سے درگزر فرمالی ہے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور) (تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد (ان کی لغزشوں کو) بخشنے والا (اور ان پر) رحم فرمانے والا ہے) مراد دوشیزائیں ہیں۔ اور اسی معنی کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی کے بارے میں فیصلہ کیا جسے غلام نے مجبور کیا تھا اور اسے حد نہ لگائی۔ اور علماء اس پر متفق ہیں کہ وہ عورت جسے مجبور کیا گیا، اس پر کوئی حد نہیں۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جب کوئی عورت حاملہ پائی گئی اور اس کا خاوند نہ ہو اور اس نے کہا: مجھے مجبور کیا گیا تو اس سے وہ قول قبول نہیں کیا جائے گا اور اس پر حد ہوگی، مگر جب اس کے پاس بینہ (گواہ) ہو یا اس نے وہ زخم ظاہر کر دیا جو اسے لگایا گیا یا کوئی شی جو اس کے مشابہ ہو۔ اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: کتاب اللہ میں رجم اس پر لازم ہے جس نے مردوں اور عورتوں میں سے زنا کیا بشرطیکہ وہ محصن ہو جبکہ اس پر بینہ قائم ہو جائے یا حمل ظاہر ہو جائے یا وہ اعتراف کر لے۔ ابن منذر نے کہا ہے: پہلے قول کے بارے میں میں کہتا ہوں۔

مسئلہ نمبر 12۔ وہ عورت جسے مجبور کیا گیا اس کے لئے مہر کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ پس حضرت عطا اور زہری نے کہا ہے: اس کے لئے مہر مثل ہوگا، اور یہی امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جب اس پر حد قائم کر دی گئی جس نے اس کے ساتھ زنا کیا تو مہر باطل ہو گیا۔ اور یہی حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، اور یہی اصحاب مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب رائے نے کہا ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے: پہلا قول صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ جب کسی انسان کو اس کے گھر والوں کے اسلام پر ایسی شے کے لئے مجبور کیا گیا جو حلال نہیں تو وہ اسے تسلیم کر لے، اور اپنے آپ کو اسے چھوڑ کر قتل نہ کرے اور اس سے خلاصی اور نجات پانے میں اذیت برداشت نہ کرے۔ اس کی اصل اس روایت میں ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی اور وہ اس کے ساتھ ایک شہر میں داخل ہوئے اس میں بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ یا جابروں میں سے کوئی جابر تھا تو اس نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ تم اس کو میرے پاس بھیج دو، پس آپ نے اسے بھیج دیا اور خود اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے پس وہ کھڑی ہوئی، وضو کیا اور نماز پڑھنے لگی۔ اور دعا مانگی: اے اللہ! اگر میں تیرے ساتھ اور تیرے رسول کے ساتھ ایمان لائی ہوں تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ کرنا۔ پس (اس پر نیند طاری کر دی گئی) اور وہ خراٹے لینے لگا یہاں تک کہ اپنے پاؤں کے ساتھ اس نے دور ہٹا دیا(1)''۔ اور یہ حدیث بھی اس پر دلیل ہے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر جب کوئی ملامت نہیں ہے، تو اسی طرح مستکرہ پر بھی کوئی ملامت نہ ہوگی، اور نہ اس میں حد ہوگی جو خلوت میں سے اس سے زیادہ ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 14۔ جہاں تک مُکْرَہ کی قسم کا تعلق ہے تو وہ لازم نہیں ہوتی یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابوثور، اور اکثر علماء کے نزدیک ہے۔ ابن ماجشون نے کہا ہے: برابر ہے اس نے ایسی شے کے بارے قسم کھائی جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری ہو یا ایسی چیز کے بارے میں جو معصیت اور گناہ ہو جب اسے قسم پر مجبور کیا جائے اور یہ اصبغ نے بھی کہا ہے۔ اور مطرف نے کہا ہے: اگر کسی کو ایسی شے کے بارے قسم پر مجبور کیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو یا اس کے کرنے میں طاعت ہو نہ معصیت تو اس میں قسم ساقط ہو جائے گی، اور اگر اسے ایسی شے میں قسم کھانے پر مجبور کیا گیا جو طاعت ہو مثلاً یہ کہ والی کسی فاسق آدمی کو پکڑ لے اور اسے مجبور کرے کہ وہ طلاق کے ساتھ قسم اٹھائے کہ وہ شراب نہیں پیئے گا یا وہ فسق نہیں کرے گا یا وہ اپنے کام میں بد دیانتی نہیں کرے گا یا والد اپنے بیٹے کو ادب سکھانے کے لئے یہ قسم دیتا ہے تو یہ قسم لازم ہو جائے گی، اگرچہ مکرہ ان چیزوں کے بارے میں خطا کار ہو جن کا وہ مکلف اور پابند بنایا جا رہا ہے۔ اور یہی ابن حبیب نے کہا ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور کوفیوں میں سے آپ کے متبعین نے کہا ہے: بے شک اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا پھر اس نے وہ کیا تو وہ حانث ہو جائے گا، انہوں نے کہا: کیونکہ جس کو مجبور کیا گیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنی تمام قسموں میں حقیقت کو چھپائے (یعنی توریہ استعمال کرے) اور جب اس نے نہ چھپایا اور نہ اس نے اس کے خلاف نیت کی جس پر اسے مجبور کیا گیا تو تحقیق اس نے قسم کا ارادہ کر لیا۔ اور پہلے فریق کے ائمہ نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے: جب اسے قسم پر مجبور کیا گیا ہے پس تو اس کی نیت اس کے قول کے مخالف ہوگئی کیونکہ وہ مجبور اس شے کے لئے ہے جس پر اس نے قسم کھائی۔

مسئلہ نمبر 15۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے: عجیب معاملہ یہ ہے کہ ہمارے علماء نے اکراہ کی صورت میں حانث ہونے پر اختلاف کیا ہے کہ کیا اس کے ساتھ حنث واقع ہوگا یا نہیں؟ اور یہ مسئلہ عراقیہ ہے جو ہمارے لئے ان سے چلا ہے، نہ یہ مسئلہ ہو اور نہ وہ ہوں!

اے ہمارے اصحاب کی جماعت! کون سا فرق ہے قسم پر مجبور کرنے کے درمیان اس بارے میں کہ وہ لازم نہیں ہوتی اور حنث کے درمیان اس بارے میں کہ وہ واقع نہیں ہوتا؟ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی بصیرتوں کی طرف رجوع کرو اور اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاکراہ، باب إذا استكرهت المرأة على الزنا، جلد 2، صفحہ 1028

روایت سے دھوکہ نہ کھاؤ کیونکہ یہ درایت میں عیب ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب کسی آدمی کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ قسم اٹھائے ورنہ اس کا مال لے لیا جائے گا جیسا کہ ٹیکس وصول کرنے والے اور محصول لینے والوں کا ظلم اور ظلم وزیادتی کرنے والے، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس میں اس کے لئے کوئی بچاؤ نہیں ہے۔ بے شک آدمی اپنی قسم کے ساتھ اپنے بدن سے تکلیف دور کرسکتا ہے اپنے مال سے نہیں۔ اور ابن ماجشون نے کہا ہے: وہ حانث نہیں ہوگا اگرچہ اس نے اپنے مال سے (نقصان کے خطرہ کو) دور کردیا اور اسے اپنے بدن پر کوئی خوف نہ ہو۔ اور ابن القاسم نے مطرف کے قول سے کہا ہے، اور انہوں نے اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، اور یہ ابن عبدالحکم اور اصبغ نے کہا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: ابن ماجشون کا قول صحیح ہے، کیونکہ مال سے نقصان کو دور کرنا جان کی مدافعت کی مثل ہی ہے اور یہی حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عنقریب آرہا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں۔'' اور مزید فرمایا: ''ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے (1)''۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی آدمی آئے جو میرا مال اٹھانے کا ارادہ رکھتا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو تو اسے اپنا مال نہ دے۔'' اس نے عرض کی: آپ کی کیا رائے ہے اگر وہ مجھے قتل کرنا چاہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اسے قتل کردے۔'' اس نے عرض کی: ''آپ کی کیا رائے ہے اگر وہ مجھے قتل کردے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس تو شہید ہوگا''۔ اس نے عرض کی: آپ کیا دیکھتے ہیں اگر میں اسے قتل کردوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جہنم میں ہوگا (2)''۔ اسے امام مسلم نے ذکر کیا ہے۔ اور اس بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اور مطرف اور ابن ماجشون نے کہا ہے: اگر کسی قسم کھانے والے نے ظالم والی کے سامنے قسم کے بارے سوال سے پہلے ہی قسم کھانے میں جلدی کردی تاکہ وہ اس کے ساتھ اپنے مال اور اپنے بدن میں سے جس پر جو خوف ہے اسے دور کرسکے پس اس نے اس کے لئے قسم اٹھادی تو وہ اس پر لازم ہو جائے گی۔ اور یہ ابن عبدالحکم اور اصبغ نے کہا ہے۔ اور ابن ماجشون نے بھی اس آدمی کے بارے میں کہا ہے جسے کسی ظالم نے پکڑ لیا اور اس نے اس کے لئے طلاق البتہ کے ساتھ قسم کھائی اور اس کے بغیر کہ وہ اسے قسم دے اور اس نے اسے چھوڑ دیا حالانکہ وہ جھوٹا ہے، بلاشبہ اس نے یہ قسم اس کے مارنے، قتل کرنے یا اس کا مال لینے کے خوف سے کھائی ہے، پس اگر وہ خوف کے غلبہ اور نجات کی امید کے ساتھ قسم کھانے کے سبب اس کے ظلم سے چھٹکارا پا گیا تو وہ اکراہ میں داخل ہوگا اور اس پر کوئی شے نہ ہوگی، اور اگر اس نے نجات کی امید پر قسم نہ کھائی تو وہ حانث ہوگا۔

مسئلہ نمبر 17۔ محققین علماء نے کہا ہے: جب مکرہ کفر کا تلفظ کرے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر توریہ کے اسے اپنی زبان پر لے آئے)، کیونکہ توریہ میں جھوٹ کی وسعت اور کشادگی ہوتی ہے اور جب اس طرح نہ ہوا تو وہ کافر ہو

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ، جلد 2، صفحہ 317

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من قصد اخذ مال غیرہ بغیر حق، جلد 1، صفحہ 81

جائے گا، کیونکہ توریہ پر اکراہ کی کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس کو کہا جائے: أکفر باللہ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر) تو وہ کہے گا ھو کافر بالنبی، یعنی اسے مشدد کہے گا اور اس کا معنی زمین کی بلند جگہ ہے۔ اور اس پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے جو کھجور کے پتوں سے دسترخوان کی طرح کی چیزیں بنانے کا کام کرتا ہے، پس وہ ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک کا اپنے دل سے قصد اور ارادہ کرے گا اور کفر کے گناہ سے بری ہو جائے گی۔ اور اگر اس کو کہا گیا: أکفر بالنبیٔ (ہمزہ کے ساتھ) تو وہ کہے گا: ھو کافر بالنبیٔ اور اس سے ارادہ مخبر کا کرے گا، یعنی کوئی بھی خبر دینے والا ہو جیسا طلیحہ اور مسلیمہ کذاب تھے یا اس سے مراد وہ نبی لے گا جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

فأصبح رَتْمًا دُقاق الحصَی مکان النبیٔ من الکاثب

مسئلہ نمبر 18۔ علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ جس آدمی کو کفر پر مجبور کیا گیا لیکن اس نے قتل کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا اجر اس سے زیادہ اور عظیم ہے جس نے رخصت کو اختیار کیا اور اس کے بارے علماء نے اختلاف کیا ہے جسے قتل کے سوا کسی ایسے فعل پر مجبور کیا گیا جو اس کے لئے حلال نہ ہو تو اصحاب مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس میں شدت اور سختی کو لینا، اور قتل و ضرب کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک رخصت کو اختیار کرنے سے افضل ہے، اسے ابن حبیب اور سحنون نے ذکر کیا ہے۔ اور ابن سحنون نے اہل عراق سے ذکر کیا ہے کہ جب کسی کو قتل یا قطع اعضاء یا مارنے کے ساتھ ڈرایا دھمکایا گیا اور اس سے جان ضائع ہونے کا خوف ہو تو اس کے لئے مباح ہے کہ وہ وہ عمل کرے جس پر اسے مجبور کیا گیا ہے، مثلاً شراب پینا یا خنزیر کھانا وغیرہ اور اس نے ایسا نہ کیا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا گیا تو ہمیں اس کے گنہگار ہونے کا خوف ہے کیونکہ وہ مضطر کی طرح ہے۔ اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت پیش کی درآنحالیکہ آپ کعبہ معظمہ کے سائے میں چادر کا تکیہ بنائے لیٹے ہوئے تھے میں نے عرض کی: کیا آپ ہمارے لئے مدد طلب نہیں کریں گے، کیا آپ ہمارے لئے دعا نہیں مانگیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کبھی تم میں سے پہلے لوگوں میں سے کوئی آدمی پکڑ لیا جاتا تھا اور اس کے لئے زمین میں گڑھا کھود دیا جاتا، پھر اس میں اسے رکھا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اسے اس کے سر پر رکھ دیا جاتا اور اسے دو حصوں میں نصف نصف کر دیا جاتا اور لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو نوچ لیا جاتا تو یہ چیزیں اسے اپنے دین سے نہ روکتی تھیں، قسم بخدا! یہ امر (دین اسلام) ضرور مکمل ہو گا یہاں تک کہ صنعاء سے حضر موت کی طرف ایک سوار چلے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے ریوڑ پر بھیڑیئے کے سوا کوئی خوف نہ ہو گا لیکن تم بہت جلد بازی کرتے ہو(1)''۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امم ماضیہ کا یہ وصف بیان کرنا ان کی مدح کے طریقہ پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مکروہ اور تکلیف دہ چیز پر صبر کرنے کے بیان کے لئے ہے، اور یہ کہ انہوں نے ظاہر میں کفر نہیں کیا اور نہ ایمان کو چھپایا تاکہ وہ اپنے آپ سے عذاب اور اذیتیں دور کر لیں۔ اور یہ ان کی دلیل اور حجت ہے جنہوں نے ضرب، قتل اور ذلت و رسوائی کو رخصت پر اور دار الجنان میں رہنے کو ترجیح دی ہے۔ اس کا مزید بیان سورۃ الاخدود میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاکراہ، باب من اختار الضرب والقتل والھون علی الکفر، جلد 2، صفحہ 1027

اور ابوبکر محمد بن محمد بن الفرج بغدادی نے ذکر کیا ہے: انہوں نے بیان کیا، ہمیں شریح بن یونس نے اسماعیل بن ابراہیم سے انہوں نے یونس بن عبید سے اور انہوں نے حسن سے بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کے جاسوسوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو پکڑا اور وہ انہیں مسیلمہ کے پاس لے گئے، تو اس نے ان میں سے ایک کو کہا: کیا تو شہادت دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے کہا: کیا تو شہادت دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: ہاں۔ پس اس نے اسے چھوڑ دیا، آزاد کر دیا۔ پھر دوسرے آدمی کو کہا: کیا تو شہادت دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ پھر اس نے پوچھا: کیا تو شہادت دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ اس نے جواب دیا: میں بہرہ ہوں کچھ نہیں سنتا؛ پس اس نے اسے آگے بلا بھیجا اور اس کی گردن مار دی۔ پس وہ پہلا آدمی حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: میں ہلاک ہو گیا! آپ نے فرمایا: ''کس چیز نے تجھے ہلاک کیا ہے؟'' پھر اس نے پوری بات ذکر کی، آپ نے فرمایا: ''جہاں تک تیرے ساتھی کا تعلق ہے تو اس نے یقین اور اعتماد کو اختیار کیا ہے اور تو نے رخصت کو لیا ہے اب اس وقت تو کون سی حالت پر ہے؟ اس نے عرض کی: میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اسی حال پر رہ جس پر تو ہے۔''

اس آدمی کے بارے میں رخصت جسے ظالم حکمران نے قسم دی اپنی ذات پر یا اس پر کہ وہ فلاں آدمی پر یا فلاں آدمی کے مال پر اس کی راہنمائی کرے گا۔ تو حسن نے کہا: جب اس پر اور اس کے مال پر خوف ہو تو اسے چاہئے کہ وہ قسم اٹھا دے اور اپنی قسم کا کفارہ نہیں دے گا۔ یہی حضرت قتادہ کا قول ہے جبکہ اس نے اپنی ذات پر یا اپنے ذاتی مال پر قسم کھائی۔ اور اس بارے میں علماء کا نظریہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور موسیٰ بن معاویہ نے ذکر کیا ہے کہ ابوسعید بن اشرس صاحب مالک سے سلطان تیونس نے ایک آدمی کے خلاف قسم لی سلطان نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا کہ اس نے اسے پناہ نہیں دی ہے، اور نہ یہ اس کی جگہ کو جانتا ہے، تو ابن اشرس نے اس کے لئے قسم دے دی، اور پھر اپنی بیوی کو کہا: تو مجھ سے علیحدہ ہو جا پس وہ اس سے علیحدہ ہو گئی، پھر ابن اشرس سوار ہوا یہاں تک کہ بہلول بن راشد قیروان کے پاس آیا، اور اسے اپنے واقعہ کی خبر دی، تو بہلول نے اسے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے بے شک تو حانث ہے۔ تو ابن اشرس نے کہا: میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے، اور بلاشبہ میں نے رخصت کا ارادہ کیا ہے، یا اس معنی کی کلام کی، تو بہلول بن راشد نے اس کو کہا: حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے بے شک تجھ پر کوئی حنث نہیں ہے۔ راوی کا بیان ہے: پس ابن اشرس نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لیا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق عمل کیا۔

اور عبدالملک بن حبیب نے ذکر کیا ہے کہ مجھے معبد نے مسیب بن شریک سے اور انہوں نے ابوشیبہ سے بیان کیا ہے انہوں نے بیان کیا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جسے کسی آدمی کے بدلے پکڑ لیا جاتا ہے، آپ کیا رائے رکھتے ہیں کہ وہ قسم اٹھا دے تاکہ وہ اسے اپنی قسم کے ساتھ بچا لے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں، کیونکہ میں ستر قسمیں اٹھاؤں اور انہیں توڑ دوں میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ میں کسی مسلمان پر راہنمائی کروں۔

اور ادریس بن یحییٰ نے کہا ہے کہ ولید بن عبدالملک جاسوسوں کو حکم دیتا تھا وہ رعایا کی جاسوسی کرتے تھے اور خبریں اس کے پاس لاتے تھے، اس نے بیان کیا: پس ان میں سے ایک آدمی رجاء بن حیوہ کے حلقہ میں بیٹھا تو اس نے بعض کو سنا وہ ولید کے بارے میں کچھ اعتراض کر رہے ہیں، پس اس نے وہ خبر ولید تک پہنچائی تو اس نے کہا: اے رجاء! تیری مجلس میں برائی کے ساتھ میرا ذکر کیا گیا اور تو نے اسے تبدیل نہیں کیا؟ تو انہوں نے فرمایا: اے امیر المومنین! ایسا نہیں ہوا۔ تو ولید نے اس کو کہا: کہو: آللہ الذی لا الہ الا ھو (قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں) تو آپ نے کہا: اللہ الذی لا الہ الا ھو (اللہ وہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں)؛ پس ولید نے جاسوس کے بارے حکم دیا اور اسے ستر کوڑے مارے، پس وہ رجا کو ملتا تھا اور کہتا تھا: اے رجا! تیرے وسیلہ سے بارش برستی ہے، اور ستر کوڑے میری پشت پر لگتے ہیں! تو حضرت رجا فرماتے: تیری پشت پر ستر کوڑے لگنا اس سے بہتر ہے کہ ایک مسلمان آدمی کو قتل کر دیا جائے۔

مسئلہ نمبر 19۔ علماء نے اکراہ کی حد میں اختلاف کیا ہے، پس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: آدمی اپنے بارے میں پر امن نہیں ہوتا جب تو اسے خوفزدہ کرے یا اسے مضبوط باندھ دے یا اسے مارے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کوئی کلام نہیں جو مجھ سے دو کوڑے دور کر سکتی ہو مگر میں وہ کلام کروں گا۔ اور حسن نے کہا: مومن کے لئے احتیاط و بچاؤ یوم قیامت تک جائز ہے، مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قتل میں کوئی احتیاط و بچاؤ نہیں بنایا ہے۔ اور نخعی نے کہا ہے: قید اکراہ ہے اور سجن بھی اکراہ ہے۔ اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، مگر یہ کہ انہوں نے کہا ہے: خوفزدہ کرنے والی وعید بھی اکراہ ہے اگرچہ وہ واقع نہ بھی ہو، جب کہ اس تعدی کرنے والے کا ظلم اور اس کا نفاذ محقق اور ثابت ہو جس کے ساتھ وہ ڈرا رہا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک ضرب اور قید میں کوئی مقرر حد نہیں ہے، بلاشبہ ضرب (مار) وہ ہے جو ضرر رساں اور دردناک ہو، اور قید اور جیل وہ ہے جس کی وجہ سے مکرہ پر تنگی واقع ہو۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلطان اور کسی دوسرے کا اکراہ اکراہ ہی ہے۔ اور کوفیوں نے اختلاف کیا ہے پس انہوں نے شراب پینے اور مردار کھانے پر جیل اور قید کو اکراہ نہیں قرار دیا، کیونکہ ان دونوں سے ضائع اور ہلاک ہونے کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اور انہوں نے ان دونوں کو کسی کے اس اقرار میں کہ "فلاں کے میرے پاس ہزار درہم ہیں" اکراہ (مجبور کرنا) قرار دیا ہے۔ ابن سحنون نے کہا ہے: اس پر علماء کا اجماع ہے کہ درد اور شدید تکلیف اکراہ ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اکراہ بغیر جان کے ضیاع کے بھی ہو سکتا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جسے قسم پر مجبور کیا گیا کسی وعید (دھمکی) یا جیل بھیجنے یا مارنے کی دھمکی کے ساتھ، تو اس کے لئے ہے کہ وہ قسم اٹھا دے اور اس پر حانث ہونا نہیں ہے، یہی امام شافعی، امام احمد، ابوثور اور اکثر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اس باب سے یہ ثابت ہوا ہے کہ توریہ میں جھوٹ کی وسعت اور کشادگی ہے۔ اور اعمش نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: کوئی حرج نہیں ہے جب تیری طرف سے کسی آدمی کو کوئی شے پہنچے کہ تو کہے: قسم بخدا! بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جو کچھ اس میں سے میں نے تیرے بارے میں کہا ہے۔ عبدالملک بن

حبیب نے کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کچھ میں نے کہا ہے، اور یہ اپنے ظاہر میں قول کی نفی ہے، اور اس پر حنث نہیں ہے جس نے اپنی قسم میں یہ کہا ہے اور نہ اس پر اس کے کلام میں جھوٹ ہے۔ اور حضرت نخعی رطیٹھلیہ نے کہا ہے: ان کا کلام قسم کو لغو کرنے والا ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنے آپ سے اسے دور ہٹا رہے ہیں، نہ وہ اس میں کوئی کذب اور جھوٹ دیکھتے ہیں اور نہ انہیں اس میں حانث ہونے کا کوئی خوف اور ڈر ہے۔ عبدالملک نے کہا ہے: وہ کلام میں سے اسے توریہ کا نام دیتے ہیں جب اس میں کوئی مکر و فریب نہ ہو اور نہ کسی حق میں دھوکا ہو۔ اور اعمش نے کہا ہے: حضرت ابراہیم نخعی رطیٹھلیہ کے پاس جب کوئی آتا تو آپ اس کی طرف نکلنا (اس سے ملاقات کرنا) ناپسند کرتے تھے چنانچہ آپ اپنے گھر کی مسجد میں بیٹھ جاتے اور اپنی کنیز کو کہہ دیتے: اسے کہہ دو قسم بخدا! وہ مسجد میں ہیں۔ اور مغیرہ نے ابراہیم سے روایت بیان کی ہے کہ وہ لشکر میں سے کسی آدمی کو یہ اجازت دیتے تھے کہ جب وہ اپنے امیر کے پاس پیش ہو تو وہ یہ کہے: قسم بخدا! میں راہ نہیں پا سکتا مگر یہ کہ کوئی دوسرا مجھے سیدھی راہ پر لگائے، اور میں سوار نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ کوئی دوسرا مجھے سوار کرے اور اسی طرح کا اور کلام۔ عبدالملک نے کہا ہے: اس کے قول: غیری سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، وہی اسے سیدھی راہ دکھانے والا ہے اور وہی اسے اٹھاتا ہے (سوار کرتا ہے)؛ پس وہ اس آدمی پر اس کی اس قسم میں حنث نہیں دیکھتے، اور نہ اس کے کلام میں کوئی کذب ہے، اور وہ یہ ناپسند کرتے تھے کہ یہ کلام دھوکہ دہی، ظلم اور حق کے انکار میں کہی جائے پس جس نے یہ جرأت کی اور ایسا کیا تو وہ اپنی دھوکہ دہی میں گنہگار ہوگا اور اس کی قسم میں اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر 21۔ قولہ تعالیٰ: وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا یعنی اس کے سینے کو کفر قبول کرنے کے سبب وسیع کر دیا، کھول دیا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا اور یہ قدر یہ کا رد کر رہا ہے۔ اور صَدْرًا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور وہ عذاب جہنم ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

''اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پسند کر لیا دنیا کی (فانی) زندگی کو آخرت کی (ابدی) زندگی پر اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں، جن کے کانوں اور جن کی آنکھوں پر اور یہی لوگ (اپنے اعمال کے نتائج سے) غافل ہیں۔ ضرور یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ یعنی اس غضب کی وجہ یہ ہے۔ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا یعنی انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پر پسند کر لیا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ اس میں اَنَّ محل جر میں ہے اور اس کا عطف بِاَنَّهُمْ پر ہے۔ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ پھر ان کا

وصف بیان کیا اور فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ یعنی نصیحتوں کو سمجھنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ وَ سَمْعِهِمْ اور اللہ تعالیٰ کا کلام سننے سے ان کے کانوں پر وَ اَبْصَارِهِمْ اور آیات کو دیکھنے سے ان کی آنکھوں پر (مہر لگا دی ہے)۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ اور یہی لوگ اس سے غافل ہیں جس کا ان کے بارے ارادہ کیا جا رہا ہے۔ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

"پھر بے شک آپ کے پروردگار کا معاملہ ان کے ساتھ جنہوں نے ہجرت کی بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد پھر جہاد بھی کیا اور (مصائب میں) صبر سے کام لیا، بے شک آپ کا رب ان آزمائشوں کے بعد (ان کے لئے) بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

قولہ تعالیٰ: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا یہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔ اور اس کا معنی ہے انہوں نے جہاد پر صبر کیا؛ اسے نحاس نے ذکر کیا ہے۔ اور حضرت قتادہ نے کہا ہے: یہ آیت اس قوم کے بارے میں نازل ہوئی جو ہجرت کرتے ہوئے مدینہ طیبہ کی طرف نکلے اس کے بعد کہ مشرکوں نے انہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا اور انہیں اذیتیں دیں، ان کا ذکر اس سورت میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ابن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ مرتد ہو گیا تھا اور مشرکین سے جا ملا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اسے قتل کرنے کا حکم دیا، تو اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے پناہ طلب کی پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے پناہ دے دی (1)؛ اسے نسائی نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: سورۃ النحل میں ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ ..... تا قولہ ..... وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اور یہ منسوخ ہو گیا، اور اس میں سے استثناء کی اور فرمایا: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور یہ وہی عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ہیں جو مصر پر (حاکم) رہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا پس شیطان نے اسے پھسلا دیا اور وہ کفار کے ساتھ مل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اسے قتل کرنے کے بارے حکم دیا، تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے پناہ طلب کی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پناہ عطا فرما دی۔

یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝

"اس دن کو یاد کرو جب آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کر رہا ہوگا (صرف) اپنے متعلق اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کیا ہوگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

1۔ سنن ابی داؤد، باب الحکم فی من ارتد، حدیث نمبر 3792، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

قولہ تعالیٰ: يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یعنی اس بارے میں بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یاذ کرہم يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یعنی انہیں یاد دلاؤ اس دن کی جب ہر نفس صرف اپنے متعلق جھگڑا کرتے ہوئے آئے گا۔

حدیث میں آیا ہے کہ ہر کوئی قیامت کے دن کہے گا: نفسی نفسی (ہائے میری جان، ہائے میری جان) اور یہ قیامت کے دن کی ہولنا کی کی شدت کی وجہ سے ہوگا، سوائے حضور نبی رحمت محمد مصطفی ﷺ کے کیونکہ آپ تو اپنی امت کے بارے التجا کر رہے ہوں گے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے کعب! ہمیں ڈرایئے، ہمیں جوش دلایئے، ہمیں کچھ بیان کیجئے، ہمیں متنبہ کیجئے۔ تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا: اے امیر المومنین! قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تم نے قیامت کے دن ستر انبیاء علیہم السلام کے عمل کی مثل بھی اجر پالیا تو پھر بھی تم پر کچھ مراحل ایسے آئیں گے جن میں تمہارے نفس کے سوا کوئی شی تمہیں پریشان اور بے چین نہیں کرے گی، اور بے شک جہنم ایک سانس نکالے گی اور کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی منتخب نبی باقی نہیں رہے گا مگر وہ اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑے گا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنی خلت کا واسطہ دے کر عرض کریں گے: اے میرے رب! بے شک میں تیرا خلیل ابراہیم ہوں، میں آج کے دن سوائے اپنے نفس کے تیری بارگاہ میں کسی کی التجا نہیں کرتا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے کعب! کتاب اللہ میں تو اسے کہاں پاتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے تحت فرمایا ہے: قیامت کے دن لوگوں کے ساتھ خصومت اور جھگڑا مسلسل رہے گا یہاں تک کہ روح اور جسم بھی آپس میں جھگڑنے لگیں گے، پس روح کہے گی: اے میرے پروردگار! روح تجھ سے ہے تو نے اسے پیدا فرمایا ہے، میرا کوئی ہاتھ نہیں جس کے ساتھ میں پکڑ سکتی ہوں، میرا کوئی پاؤں نہیں جن کے ساتھ میں چل سکتی ہوں، میری کوئی آنکھ نہیں جس کے ساتھ میں دیکھ سکتی ہوں، کوئی کان نہیں جس کے ساتھ سن سکتی ہوں، اور عقل نہیں جس کے ساتھ کچھ سمجھ سکتی ہوں، یہاں تک کہ میں آئی اور اس جسم میں داخل ہوگئی پس اس پر مختلف انواع کے عذاب کو دوگنا کر دے اور مجھے نجات عطا فرما دے؛ اور جسم کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا ہے تو میں لکڑی کی مثل تھا، میرے لئے ہاتھ نہیں تھا جس کے ساتھ میں پکڑ سکتا، پاؤں نہیں تھے جن کے ساتھ دوڑ سکتا، آنکھیں نہ تھیں کہ ان کے ساتھ دیکھ سکتا، کان نہیں تھے کہ ان کے ساتھ سن سکتا پس یہ (روح) آئی نور کی شعاع کی مثل، پس اس کے سبب میری زبان بولنے لگی، اس کے ساتھ میری آنکھ دیکھنے لگی، اس کے ساتھ میرے پاؤں چلنے لگے اور اس کے ساتھ میرے کان سننے لگے، پس اس پر طرح طرح کے عذاب کو دوگنا کر دے اور مجھے اس سے نجات عطا فرما دے۔

راوی نے بیان کیا: پس اللہ تعالیٰ ان دونوں کے لئے ایک مثال بیان فرمائے گا کہ ایک نابینا اور ایک اپاہج آدمی دونوں ایک ایسے باغ میں داخل ہوئے جس میں طرح طرح کے پھل ہیں، پس اندھا پھل کو دیکھ نہیں سکتا اور اپاہج اسے پا نہیں سکتا، پھر اپاہج نے اندھے کو بلایا: میرے پاس آ اور مجھے اوپر اٹھا میں خود بھی کھاؤں گا اور تجھے بھی کھلاؤں گا، پس وہ اس کے قریب آیا اور اسے اوپر اٹھالیا، اور وہ پھل تک پہنچ گئے اور اسے پالیا، پس اب عذاب اور سزا کس پر ہوگی؟ [وہ دونوں کہیں گے: دونوں پر

عذاب ہوگا] تو رب کریم فرمائے گا: تو تم دونوں پر اکٹھا عذاب ہے؛ اسے ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

"اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔"

قولہ تعالیٰ: وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً یہ مشرکین کے ذکر کے ساتھ متصل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین قریش کے خلاف دعا کی اور عرض کی: "اے اللہ! مضر پر اپنی گرفت اور پکڑ سخت کر دے۔ اور ان پر قحط مسلط کر دے حضرت یوسف علیہ السلام کے قحط کی طرح (1)"۔ پس وہ قحط میں مبتلا کر دیئے گئے یہاں تک کہ وہ ہڈیاں کھانے لگے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اناج بھیجا اور وہ ان میں تقسیم کیا گیا۔ كَانَتْ اٰمِنَةً اس کے رہنے والوں کو کوئی اضطراب اور پریشانی نہ تھی۔ يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ یعنی بحر و بر کے راستے سے اس کا رزق اس کے پاس آتا تھا؛ اس کی نظیر یہ آیت ہے: يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ الآیہ (القصص: 57) (کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل) فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ اس میں الأَنْعُم، النِعمة کی جمع ہے؛ جیسا کہ الأَشُدّ، الشِدّة کی جمع ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نُعْمٰی کی جمع ہے۔ مثلاً بُؤْسٰی کی جمع أَبْؤُس ہے۔ اور اس کفران نعمت سے مراد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا ہے۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے رہنے والوں کو چکھایا۔ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ اس (عذاب) کو لباس کا نام دیا کیونکہ اس سے ان پر کمزوری، رنگ کی تبدیلی، اور بدحالی غالب آنے لگی تو یہ لباس کی طرح ہی ہوگیا۔ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ یعنی اس کفر و معاصی کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔

حفص بن غیاث، نصر بن عاصم، ابن ابی اسحاق، حسن، اور ابو عمرو اس میں جوان سے عبدالوارث، عبید اور عباس نے روایت کیا ہے الخَوْفَ منصوب پڑھا ہے اس طرح کہ اس پر أذاقها کو واقع کیا ہے، اور اس کا عطف لِبَاسَ الْجُوْعِ پر کیا ہے۔ [ای أذاقها الله لباس الجوع] و أذاقها الخوف۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ عذاب چکھایا کہ انہیں بھوک کا لباس پہنا دیا اور ان پر خوف مسلط کر دیا)۔ اور یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ان سرایا کو بھیجنا تھا جو ان کا چکر لگاتے تھے۔ اور چکھنا تو دراصل منہ کے ساتھ ہوتا ہے پھر اسے مستعار لیا گیا اور اسے ابتلاء کی جگہ رکھ دیا گیا۔ اور دوسرے شہروں کے لئے مکہ مکرمہ کی مثال بیان فرمائی یعنی بلاشبہ یہ بیت اللہ اور اس کی مسجد کی عمارت کے جوار میں واقع ہے جب اس کے باسیوں نے کفر کیا، ناشکری کی تو ان پر قحط مسلط ہوگیا تو پھر اس کے سوا دوسرے شہروں کا حال کیا ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بستی سے مراد

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ آل عمران، لیس لك من الأمر شیء، جلد 2، صفحہ 655

مدینہ طیبہ ہے، اس کے رہنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اور یہ وہ فتنے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد وہاں ظاہر ہوئے۔ اور یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک یہ مثال ہر اس بستی کی بیان کی گئی ہے جو تمام بستیوں میں سے اس حال اور صفت پر ہو(1)۔

وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''اور آیا ان کے پاس رسول انہی میں سے پس انہوں نے اسے جھٹلایا پھر پکڑ لیا انہیں عذاب نے اس حال میں کہ وہ ظلم وستم کیا کرتے تھے۔''

قولہ تعالیٰ: وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بستی مکہ مکرمہ ہے۔ اور یہی قول حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ عذاب سے مراد وہ قحط ہے جو مکہ مکرمہ میں واقع ہوا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہاں کی سختیاں اور قحط سالی ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

''پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال (اور) طیب ہے، اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔''

قولہ تعالیٰ: فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ یعنی اے مسلمانوں کے گروہ تم غنائم سے کھاؤ۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ خطاب مشرکین کو ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف ان پر شفقت اور نرمی کرتے ہوئے کھانا بھیجا، اور یہ اس وقت ہوا کہ جب وہ سات سال تک قحط میں مبتلا رہے اور اہل عرب نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان سے ذخیرہ کی ہوئی خوراک روک لی، تو انہوں نے جلی ہوئی ہڈیاں، مردار، مردہ کتے، چمڑے اور خون میں لتھڑے ہوئے اونٹ کے بال تک کھائے، پھر سرداران مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی جس وقت خوب مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہوئے اور کہنے لگے: یہ تو مردوں کا عذاب ہے اور عورتوں اور بچوں کا حال کیا ہوگا؟ (وقال له ابو سفيان: يا محمد، انك جئت تأمر بصلة الرحم والعفو، و إن قومك قد هلكوا: فادع الله لهم۔ فدعا لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، و أذن للناس بحمل الطعام اليهم و هم بعد مشركون)۔ اور ابوسفیان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کی: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ تشریف لائے اور آپ صلہ رحمی اور عفو و درگزر کا حکم دیتے ہیں، اور بے شک آپ کی قوم ہلاک ہوگئی ہے، سو آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں کو طعام ان کی طرف لانے کی اجازت عطا فرمائی اور وہ اس کے بعد بھی شرک کرتے رہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 217

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۵

''اس نے تم پر حرام کیا صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت، پس جو مجبور ہو جائے (ان کے کھانے پر بشرطیکہ) وہ لذت کا جو یا نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو (تو کوئی حرج نہیں) بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔''

اس پر مکمل بحث سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۱۱۶ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۱۷

''اور نہ بولو جھوٹ جن کے بارے میں تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم افتراء باندھو گے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا، بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ (وہ) تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں (انجام کار) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: لِمَا تَصِفُ یہاں مَا مصدریہ ہے، ای لوصف (السنتکم) (تمہاری زبانوں کے بیان کی وجہ سے) اور کہا گیا ہے کہ یہ لام لام سببیہ اور اجلیہ ہے، یعنی تم نہ کہو اپنے بیان کی وجہ سے اَلْكَذِبَ (جھوٹ) یہ حرف جر کے حذف کے سبب منصوب ہے، یعنی لما تصف السنتکم من الکذب اور اسے الکُذُبُ کاف، ذال، اور با کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اور یہ السنۃ کی صفت ہے۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور حسن نے یہاں خاص طور پر الکَذِبِ کاف کے فتحہ اور ذال اور با کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ لِمَا کی صفت ہے، تقدیر کلام ہے: ولا تقولوا الوصف اَلسنتکم الکذبِ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ما سے بدل ہونے کی بنا پر مجرور ہے یعنی ولا تقولوا للکذب الذی تصفہ اُلسنتکم۔ (اور تم اس جھوٹ کو نہ کہو جسے تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں)، هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ الآیہ۔ یہ خطاب ان کفار کو ہے جنہوں نے بحائر اور سوائب جانوروں کو حرام قرار دیا اور انہیں حلال قرار دیا جو ابھی چوپاؤں کے پیٹوں میں تھے اگرچہ وہ مردہ ہوں۔ پس قول باری تعالیٰ: هٰذَا حَلٰلٌ یہ اشارہ ان مردہ جانوروں کی طرف ہے جو ابھی چوپاؤں کے پیٹوں میں ہوں، اور ہر اس کی طرف جسے انہوں نے حلال قرار دیا۔

اور قولہ تعالیٰ: وَّهٰذَا حَرَامٌ یہ اشارہ بحائر اور سوائب اور ہر اس کی طرف ہے جسے انہوں نے حرام قرار دیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ یعنی اس میں ان کے لئے جو دنیوی نعمتیں اور فوائد ہیں وہ عنقریب

زائل ہو جائیں گے، ختم ہو جائیں گے۔ اور زجاج نے کہا ہے: یعنی ان کے فوائد قلیل فوائد ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان کے لئے تھوڑا سا فائدہ ہے پھر وہ دردناک عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے: ہمیں ہارون نے حفص سے اور انہوں نے اعمش سے خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابراہیم کو کبھی یہ کہتے ہوئے نہیں سنا یہ حلال ہے اور نہ یہ سنا کہ یہ حرام ہے، بلکہ وہ یہ کہتے تھے: وہ ناپسند کرتے تھے اور وہ پسند کرتے تھے۔ اور ابن وہب نے بیان کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لوگوں میں اہل فتویٰ یہ نہیں کہتے: یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں تم اس اس سے بچو۔ (ایاکم کذا و کذا) اور میرے لئے نہیں کہ میں ایسا کروں۔

ولم أکن لأصنع هذا اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی کو حلال قرار دینا اور کسی کو حرام قرار دینا بلاشبہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اور کسی اور کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے یا اعیان میں سے کسی معین چیز کے بارے اس کی تصریح کرے مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی شے کے بارے اس کی خبر دے۔ اور وہ شے جس کے بارے میں اجتہاد اس تک پہنچائے کہ یہ حرام ہے اس کے بارے کہے: إنی أکرہ کذا۔ (بے شک میں اسے ناپسند کرتا ہوں، مکروہ قرار دیتا ہوں) اور اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس میں اپنے متقدمین اہل فتویٰ کی اقتدا کرتے تھے۔ پس اگر کہا جائے: تحقیق انہوں نے اس کے بارے میں کہا ہے جس نے اپنی بیوی کو کہا: انت علی حرام (تو مجھ پر حرام ہے) بے شک وہ حرام ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں ہو جاتی ہیں (1)۔ تو جواب یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: بے شک وہ حرام ہے، تو انہوں نے آپ کی ہی اقتدا کی۔ کبھی مجتہد کے نزدیک تحریم پر دلیل قوی ہوتی ہے تو اس وقت اس کے حرام کہنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ وہ چھ معین اشیاء کے سوا میں کہتے کہ سود (ربوا) حرام ہے، اور بسا اوقات اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کا اطلاق کرتے ہیں، پس حرام کہنا موذیر اموال میں اور ان امور میں جو مصالح کے خلاف ہوں مناسب نہیں ہے۔ اور آپ نے زیر بحث مسئلہ میں مقصد کے حصول کے لئے دلائل کی قوت کے ساتھ دامن بچا لیا۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾

"اور یہودیوں پر ہم نے حرام کر دیں وہ چیزیں جن کا ذکر ہم آپ سے پہلے کر چکے ہیں، اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔"

قولہ تعالیٰ: وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا بیان فرمایا کہ چوپائے اور کھیتی اس امت کے لئے حلال ہے، اور رہے یہودی تو ان پر ان میں سے کچھ چیزیں حرام ہیں۔ حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ یعنی سورۃ الانعام میں ہم ان کا ذکر آپ سے کر چکے ہیں۔ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ اور جو چیزیں ہم نے ان پر حرام کی ہیں ان کو حرام کرنے کے ساتھ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ انہوں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1183

نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے پس ہم نے بطور سزا ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں، جیسا کہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

''پھر بے شک آپ کا رب ان کے لئے جنہوں نے غلطی کی (لیکن) نادانی سے پھر انہوں نے توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا، بے شک آپ کا پروردگار اس کے بعد (ان کے گناہوں کو) بہت بخشنے والا (اور ان پر) نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

قولہ تعالیٰ: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ اس میں سوء سے مراد شرک ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ اور یہ بحث سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

''بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔''

قولہ تعالیٰ: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کو ملت (دین) ابراہیم علیہ السلام کی طرف دعوت دی، کیونکہ آپ ان کے اباء اور اس گھر کے بانی تھے جس کے ساتھ انہیں عزت حاصل تھی۔ اور الامۃ سے مراد وہ کامل مرد ہے جو خیر اور بھلائی کی صفات کا جامع ہو۔ اور اسے جن جن معنوں پر محمول کیا جا سکتا ہے وہ پہلے گزر چکے ہیں۔ اور ابن وہب اور ابن القاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت معاذ پر رحم فرمائے! وہ امۃ قانتاً (مرد کامل اللہ تعالیٰ کے مطیع) تھے۔ تو آپ کو کہا گیا: اے ابا عبدالرحمن! بے شک اللہ عزوجل نے تو اس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک امت سے مراد وہ ہے جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے، اور بے شک قانت وہ ہے جو مطیع و فرمانبردار ہو(1)۔ تحقیق قنوت کا معنی سورۃ البقرہ میں اور حَنِيْفًا کا معنی سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

''وہ (ہر لمحہ) شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف۔ اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے''۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1184

قولہ تعالیٰ: شَاكِرًا یعنی وہ شکر گزار تھے۔ لِّاَنْعُمِهٖ، الانعم نعمة کی جمع ہے، اور یہ پہلے گزر چکا ہے اِجْتَبٰىهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا۔ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً (اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمائی۔ اور ہم نے انہیں مرحمت فرمائی دنیا میں بھی (ہر طرح کی بھلائی)۔ کہا گیا ہے: اس سے مراد نیک طیب بچہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے: مراد اچھی تعریف ہے۔ یہ قول بھی ہے کہ مراد نبوت ہے(1)۔ یہ قول بھی ہے: مراد یہ ہے کہ تشہد میں حضور نبی رحمت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے ساتھ آپ پر درود پڑھنے کو ملا دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک اہل دین نہیں ہیں مگر وہی جو آپ کے ساتھ محبت اور دوستی رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مراد یہ ہے کہ آپ کی ضیافت (مہمان نوازی) اور آپ کی قبر کی زیارت کو باقی رکھا(2)۔ اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور زیادہ عطا فرمائیں۔ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اس میں مِن بمعنی مع ہے، ای مع الصالحین یعنی وہ آخرت میں نیک لوگوں کے ساتھ ہوں گے، کیونکہ وہ دنیا میں بھی نیک لوگوں کے ساتھ تھے۔ یہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

''پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مناسک حج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھائے۔ اور علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں سے برأت اختیار کرنے اور اسلام سے آراستہ اور مزین ہونے میں آپ علیہ السلام کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے(3)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے دین میں آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے سوائے ان احکام کے جنہیں چھوڑنے کا آپ کو حکم دیا گیا؛ یہی بعض اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، جیسا کہ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ عقائد شرع میں اتباع کا حکم ہے نہ کہ فروعات میں، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ: 48) (ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ۔)

مسئلہ۔ اس آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ افضل کا مفضول کی اتباع کرنا جائز ہے، جبکہ وہ راہ صواب اور اس کے مطابق عمل کرنے میں مقدم اور پہلے ہو، اور اس میں فاضل (فضیلت رکھنے والا) پر کوئی تاوان نہیں ہے، کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، حال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: 90) (تو انہیں کے طریقہ کی پیروی کرو۔) اور یہاں ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 219　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

''صرف ان لوگوں پر سنیچر کی پابندی تھی جنہوں نے اختلاف کیا تھا اس میں، اور بلاشبہ آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان روز قیامت ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔''

قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ یعنی (یہ پابندی) نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں تھی اور نہ ان کے دین میں، بلکہ وہ تو بڑا وسیع تھا اس میں کوئی مشکل اور سختی نہ تھی۔ اور سنیچر کی پابندی اور سختی یہودیوں پر تھی اس لئے کہ کاروبار چھوڑنے اور معاش میں پھیلاؤ ترک کرنے کے بارے میں اس میں ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا (اسی سبب سے ان پر سنیچر کی پابندی عائد کردی گئی)، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جمعہ کے دن کے ساتھ آئے اور فرمایا: ہر سات دنوں میں سے ایک دن عبادت کے لئے فارغ رہو۔ تو انہوں نے کہا: ہم نہیں چاہتے کہ ان کی عید ہماری عید کے بعد ہو، پس انہوں نے اتوار کا دن پسند کیا (اور اسے منتخب کرلیا) ان میں جو اختلاف واقع ہوا اس کی کیفیت میں علماء کے مابین اختلاف ہے؛ چنانچہ ایک گروہ نے کہا ہے: بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جمعہ کے دن کے بارے حکم ارشاد فرمایا اور اسے ان کے لئے معین کردیا۔ اور انہیں دوسرے دنوں پر اس کی فضیلت کے بارے میں بھی آگاہ کیا، لیکن انہوں نے آپ سے مناظرہ اور مباحثہ کیا کہ سنیچر کا دن افضل ہے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا: ''تم انہیں اور اسے جو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے چھوڑ دو'' اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے لئے معین نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے انہیں یوم جمعہ کی تعظیم کی خاطر اس کا حکم دیا پس ان کا اجتہاد اس کی تعیین میں مختلف ہوگیا، تو یہودیوں نے سنیچر کا دن معین کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن (کائنات) کی تخلیق سے فارغ ہوا۔ اور عیسائیوں نے اتوار کا دن معین کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن (کائنات کی) تخلیق کا آغاز کیا۔ پس ان میں سے ہر گروہ کو اسی دن کے ساتھ لازم کردیا گیا جس تک اس کے اجتہاد نے انہیں پہنچایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے جمعہ کا دن معین فرمایا بغیر اس کے کہ وہ انہیں ان کے اجتہاد کے حوالے کرے یہ اس کی طرف سے فضل واحسان ہے، پس یہ امت ہونے کے اعتبار سے تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اور صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم آخر میں آنے والے قیامت کے دن اوّل ہوں گے اور ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے مگر یہ کہ انہیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اور ہمیں وہ ان کے بعد عطا کی گئی ہے پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے ہماری راہنمائی فرمادی جس میں حق میں سے انہوں نے اختلاف کیا،

پس یہ ان کا وہ دن ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت (اور راہنمائی) فرمادی فرمایا جمعہ کا دن پس آج کا دن ہمارے لئے ہے اور آنے والا کل (سنیچر کا دن) یہودیوں کے لئے ہے اور اس کے بعد (اتوار) کا دن عیسائیوں کے لئے ہے''(1)۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول: ''پس یہ ان کا وہ دن ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے'' ان کے قول کو تقویت دیتا ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب فرض الجمعہ لقول اللہ تعالیٰ، جلد 1، صفحہ 120

جنہوں نے یہ کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اسے معین نہیں کیا، کیونکہ اگر یہ ان کے لئے معین کیا جاتا اور پھر وہ سرکشی کرتے تو اُخْتُلِفُوْا نہ کہا جاتا، بلکہ یہ کہا جانا زیادہ موزوں اور مناسب تھا فخالفوا فیہ و عاندوا۔ (پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور سرکشی کی)۔ اور جو چیزیں اسے تقویت دیتی ہیں ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے انہیں جمعہ سے غافل اور گمراہ کر دیا جو ہم سے پہلے تھے۔'' اور یہ اس معنی میں نص ہے۔ اور اس کے بعض طرق میں یہ آیا ہے: ''پس یہ ان کا وہ دن ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا (اور) انہوں نے اس میں اختلاف کیا (1)''۔ اور یہ پہلے قول کی حجت اور دلیل ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر جمعہ فرض کیا جو ہم سے پہلے تھے پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے لئے ہدایت عطا فرمادی پس اس میں لوگ ہماری اتباع کرتے ہیں۔''

قولہ تعالیٰ: عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مراد جمعہ کے دن میں اختلاف کا ہونا ہے، جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں، انہوں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختلاف کیا۔ اور اس کی اپنے ماقبل کے ساتھ وجہ اتصال یہ ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو آپ کے ساتھ اختلاف کرنے سے ڈرایا کہ ان پر بھی ایسی سختی اور پابندی عائد کر دی جائے گی جیسا کہ یہودیوں پر پابندی لگائی گئی ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵

''(اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو، بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا اس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو''۔

اس میں ایک مسئلہ ہے:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ آیت مکہ مکرمہ میں قریش کی صلح کے بارے معاملات کرنے کے وقت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی شریعت کی طرف بڑی شفقت اور نرمی کے ساتھ دعوت دیں نہ کہ درشتی اور سختی کے ساتھ، اور اسی طرح قیامت کے دن تک مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کرنی چاہئے۔ پس یہ آیت موحدین میں سے گنہگاروں اور نافرمانوں کے اعتبار سے محکم ہے، اور کافروں کے حق میں قتال کرنے کے بارے منسوخ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک وہ جسے یہ احوال کفار میں سے کسی پر قدرت دیں اور بغیر قتال کے اس کے ایمان کی امید کی جاسکتی ہو تو یہ آیت اس کے بارے میں محکم ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1186-1185

''اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو، تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جمہور علمائے تفسیر نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے، اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ احد کے دن مثلہ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور یہ صحیح بخاری اور کتاب السیر میں موجود ہے۔ اور نحاس اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مکی ہے، اور اس کا معنی اس کے ماقبل مکی آیت کے ساتھ انتہائی خوبصورت اتصال کے ساتھ متصل ہے، کیونکہ رفتہ رفتہ رتبے ان لوگوں سے جنہیں دعوت دی جاتی ہے اور نصیحت کی جاتی ہے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں جن کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ کیا جاتا ہے، اور پھر ان کی طرف جنہیں ان کے فعل پر جزا دی جائے گی، لیکن جو جمہور نے روایت کیا ہے وہ زیادہ پختہ اور ثابت ہے۔ دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: جب مشرکین مقتولین احد سے واپس پھرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف گئے اور انتہائی بھیانک اور دردناک منظر دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کا پیٹ چاک کر دیا گیا ہے، ان کی ناک کاٹ لی گئی ہے، اور ان کے کان بھی کاٹ لئے گئے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر عورتیں غمزدہ نہ رہتیں یا میرے بعد یہ سنت نہ بن جاتی تو میں انہیں چھوڑ دیتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں درندوں اور پرندوں کے شکموں سے دوبارہ زندہ کرتا میں ضرور ان کی جگہ ستر افراد کا مثلہ کروں گا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چادر منگائی اور اس کے ساتھ ان کے چہرے کو ڈھانپ دیا، اور آپ کے پاؤں اس سے باہر نکل گئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا چہرہ ڈھانپ دیا اور ان کے پاؤں پر اذخر (گھاس) رکھ دی، پھر انہیں سامنے رکھا اور ان پر دس تکبیریں کہیں۔ بعد ازاں ایک ایک شہید کو لایا جاتا اور اسے وہاں رکھا جاتا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ پر رہنے دیا گیا، یہاں تک کہ آپ پر ستر مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی، اور شہدائے احد بھی ستر تھے، پس جب وہ دفن کر دیئے گئے اور آپ ان سے فارغ ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کیا اور کسی کا مثلہ نہ کیا۔ اسے اسماعیل بن اسحاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث زیادہ مکمل ہے۔ اور علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گروہ سے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کے ساتھ مظالم کئے گئے کہ جب انہیں اپنے ساتھ ظلم کرنے والے پر قدرت حاصل ہو جائے تو وہ اس کے ساتھ اس کے ظلم کی مثل ہی سلوک کریں اس سے زیادہ کی طرف تجاوز نہ کریں۔ اسے ماوردی نے ابن سیرین اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے بیان کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اہل علم نے اس کے بارے اختلاف کیا ہے کہ جس آدمی پر کسی نے مال چھین کر ظلم کیا پھر ظالم نے اسی مظلوم کو مال پر امین بنا دیا، کیا اس کے لئے اس میں اتنی مقدار خیانت جائز ہے جتنا اس نے اس کے ساتھ ظلم اور زیادتی کی

ہے؟؛ تو ایک گروہ نے کہا ہے: اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؛ ان میں حضرت ابن سیرین، حضرت ابراہیم نخعی، سفیان اور حضرت مجاہد ہیں اور انہوں نے اس آیت اور اس کے عموم لفظ سے استدلال کیا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ ایک جماعت نے کہا ہے: اس کے لئے خیانت کرنا جائز نہیں ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: ''اس تک امانت پہنچا دے جس نے تجھے امین بنایا ہے اور اس کے ساتھ خیانت نہ کر جس نے تیرے ساتھ خیانت کی ہے۔'' اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور سورۃ البقرہ میں یہ مکمل بحث گزر چکی ہے۔

اور مسند ابن اسحاق میں ہے کہ یہ حدیث اس آدمی کے بارے میں وارد ہوئی ہے جس نے کسی دوسرے آدمی کی بیوی کے ساتھ زنا کیا، پھر اس دوسرے نے اس کی بیوی پر قدرت پالی اس طرح کہ اس نے بیوی کو اس کے پاس چھوڑا اور خود سفر پر چلا گیا، پس اس آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مشورہ طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: أد الامانة الی من ائتمنك ولا تخن من خانك (1)۔ اور اسی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول مال کے بارے میں قوی ہو جاتا ہے، کیونکہ خیانت اس میں لاحق ہو چکی ہے، اور یہ ایسی رذالت اور کمینگی ہے جس سے وہ جدا اور الگ نہیں ہو سکتا، پس چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بچائے۔ اور اگر وہ مال سے حق لینے پر قادر ہو تو وہ اس پر امین نہ بنے تو یہ اس کے جائز ہونے کے مشابہ ہوگا، گویا اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ اگر کوئی حاکم سے حکم اور فیصلہ لینے پر قدرت رکھتا ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ **وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ** ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ قصاص میں تماثل اور برابری جائز ہے، پس جس نے لوہے کے ساتھ قتل کیا اسے اسی کے ساتھ قتل کیا جائے، اور جس نے پتھر کیساتھ قتل کیا اسے پتھر کے ساتھ قتل کیا جائے، اور واجب مقدار سے تجاوز نہیں کیا جائے گا، اور یہ بحث مکمل طور پر سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے، والحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اذیتوں کو عقوبت کا نام دیا ہے، حالانکہ حقیقۃً عقوبت وہ ہے جو دوسری ہے (یعنی اذیت کے مقابلے میں جو سزا دی جائے وہ عقوبت کہلاتی ہے)، تو بے شک ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ دونوں لفظ برابر ہو جائیں اور تاکہ قول کا آغاز اس کے مناسب ہو جائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان اقوال کے برعکس ہے: **وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ** (آل عمران: 54) اور **اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ** (البقرہ: 15) کیونکہ ان میں دوسرا لفظ مجاز ہے اور پہلا حقیقت ہے؛ یہ ابن عطیہ نے کہا ہے (2)۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

''اور آپ صبر فرمائیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان (کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو (اس سے)

1۔ تاریخ دمشق الکبیر، جلد 4، صفحہ 359، دار المسیرہ بیروت
2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 432

ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔''

اس میں ایک مسئلہ ہے:

مسئلہ نمبر 1۔ ابن زید نے کہا ہے: یہ آیت آیت قتال کے ساتھ منسوخ ہے (1)۔ اور جمہور لوگ اس پر ہیں کہ یہ محکم ہے، یعنی آپ اس کی مثل سزا دینے سے عفو و درگزر کے ساتھ صبر کیجئے جیسی انہوں نے مثلہ وغیرہ کے ساتھ سزا دی۔ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ یعنی آپ شہدائے احد پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ چکے ہیں۔ وَ لَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ، ضیق ضیقة کی جمع ہے، جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

كَشَفَ الضَّيقَةَ عنَّا و فَسَحَ (2)

(اس نے ہم سے تنگی دور کر دی اور وسعت و خوشحالی عطا کر دی)

اور جمہور کی قرأت ضاد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر نے ضاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور اسے نافع سے روایت کیا گیا ہے، اور یہ اس کی غلطی ہے جس نے اسے روایت کیا ہے۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے: ضاد میں فتحہ اور کسرہ مصدر میں دونوں لغتیں ہیں۔ اخفش نے کہا ہے: الضَّیق اور الضِّیق ضاق یضیق کا مصدر ہے۔ اور اس کا معنی ہے: آپ کا سینہ ان کے کفر سے تنگ نہ ہو (یعنی آپ پریشان نہ ہوں) اور فراء نے کہا ہے: الضَّیق وہ ہے جس پر تیرا سینہ تنگ ہو جائے، اور الضِّیق وہ ہے جو اس شی میں ہوتی ہے جو وسیع اور تنگ ہوتی رہتی ہے: مثلاً گھر اور کپڑا وغیرہ۔ اور ابن السکیت نے کہا ہے: یہ دونوں لفظ مساوی اور برابر ہیں۔ کہا جاتا ہے: فی صدرہ ضَیق و ضِیق (اس کے سینے میں تنگی ہے) اور قتبی نے کہا ہے: ضَیْق ضیّق کا مخفف ہے، یعنی لا تکن فی أمر ضیق (تو کسی تنگ معاملے میں نہ پڑ) پھر اس میں تخفیف کر دی گئی، جیسا کہ ھَیْن اور ھَیِّن ہیں۔ اور ابن عرفہ نے کہا ہے: کہا جاتا ہے: ضاق الرجل تب جب آدمی بخیل ہو جائے، اور أضاق تب جب وہ محتاج ہو جائے۔ اور قولہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس کی مدد و نصرت، معاونت، فضل، نیکی اور اس کی تائید کے ساتھ فواحش اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ اور احسان کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ ہرم بن حبان کو ان کی موت کے وقت کہا گیا: ہمیں کوئی وصیت فرمائیے، تو انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات اور سورۃ النحل کے آخر کی وصیت کرتا ہوں: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ سے تا آخر۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 221
2۔ تفسیر طبری، جلد 14-13، صفحہ 234